کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:9 Issue:1 January 2016

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	بندوں کے چار اعمال پر پروردگار کا انعام	مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی	۷
پیش گفتار	تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	کسی کو حقیر سمجھ کر عاقبت خراب مت کیجئے۔	مفتی محمد احمد علی قاسمی	۱۶
"	عریانیت سے نقاب کی طرف۔۔۔۔۔	مولانا یحییٰ نعمانی ندوی	۱۹
اصلاحِ معاشرہ	آپ ''واٹس ایپ'' کا استعمال کریں مگر!!!	مولانا مفتی محمد مرشد قاسمی	۲۴
"	نشہ خوری ایک خطرناک بیماری ہے	مولانا اسرار الحق قاسمی	۲۹
اقوالِ زریں	کچھ کام کی اور تجربے کی باتیں	مدیر	۳۲
راہِ سنت	عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علمائے دیوبند	جناب عبدالرؤوف صاحب انجینئر	۳۴
پند و نصیحت	طلبہ و اساتذہ کے باہمی حقوق	مولانا عبدالرؤوف صاحب ہردوئی	۴۰
تعاقبِ فرق ضالہ	افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا محمد کبیر الدین قاسمی	۴۴
فکر و نظر	حرمین شریفین کے تعلق سے ایک زبردست غلط فہمی	مولانا مفتی عباد الرحمٰن قاسمی	۴۸

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۵۱﴾

(سورۃ المومنون)

ترجمہ: اے پیغمبرو! تم نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے سب اعمال کو جانتا ہوں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو باتوں کا حکم دیا ہے ایک اکلِ حلال، دوسرے اعمالِ صالحہ اور پھر یہ حکم حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیا جارہا ہے جس سے ان دونوں باتوں کی اہمیت عیاں ہوجاتی ہے، اگر آیت میں مذکور دونوں حکموں کی تقدیم وتاخیر پر غور کریں تو یہ نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اکلِ حلال کو اعمالِ صالحہ پر مقدم کیا گیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اکلِ حلال اعمالِ صالحہ کے لئے نہ صرف مددگار ہے؛ بلکہ حلال روزی سے اعمالِ خیر کی جانب طبعی میلان اور شوقِ عبادت میں اضافہ اور اجتناب عن المعاصی کی توفیق بھی ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی ہی کو قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس بات کا حکم دیا ہے جس کا پابند حضرات انبیاء کرام کو بھی بنایا۔ (ابن کثیر)

حلال روزی کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے بس اتنی بات کافی ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے؛ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: مامن نبی الا رعی الغنم، قالوا وانت یارسول اللہ! قال: نعم وانا کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ (الحدیث)۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائیں، صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا: ہاں! میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے بدلہ چرایا کرتا تھا۔

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ ہستی جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے؛ لیکن کسبِ حلال اور اکلِ حلال کیلئے بکریاں چرانے سے بھی گریز نہیں کر رہی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رزقِ حلال کے سلسلہ میں مقامِ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب کسی کے تحفہ اور ہدیہ میں تردد ہوتا تو اس کو واپس کر دیا کرتے اور پوچھنے پر کہہ دیا کرتے کہ تمام رسولوں کو اس بات کا حکم ہے کہ وہ پاک روزی ہی کھائیں اور نیک کام ہی کریں۔ (الحدیث)

آج ہم میں سے جو عبادت کا ذوق معدوم ہوتا جا رہا ہے اس کے منجملہ اسباب وعلل میں ایک اکلِ حلال کے سلسلہ میں بے اعتنائی برتنا بھی ہے، ہر طرف شوقِ عبادت کا فقدان، تقاضہائے عبدیت سے دوری، دعاؤں کی عدم قبولیت، ذوق معصیت، جوق در جوق مصائب وحوادث ہیں، یہ ہمارے دل کی خانہ بربادی کیوں ہے؟ تو اس کا صرف ایک ہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہم میں سے اکثر وہ ہیں جو شبہات تو بہت دور کی بات ہے محرمات سے تک اجتناب کا اہتمام نہیں کرتے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بہت سے مسافر بکھرے بال، پراگندہ حال والے، بیابانوں میں بے سہارا بن کر خدا تعالیٰ سے فریاد کناں ہوتے ہیں؛ لیکن وہ فریاد مردود ہو جاتی ہے، کیوں کہ ان کی غذا حرام اور ناجائز ہے تو معلوم ہوا کہ دعاؤں کے مستجاب نہ ہونے کی اہم وجہ حرام لذتوں سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رزقِ حلال کا اہتمام نہ کرنے سے اس کی دینی پرواز میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے جو ایک مسلمان کے لئے جیتے جی موت سے کم نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اکل حلال کے فائدہ کو اپنے عارفانہ اور شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

درسِ حدیث

بندوں کے چار اعمال پر پروردگار کا انعام

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

عَنْ اَبِیْ مَالِکِ نِ الاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِمَنْ اَلَانَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ (مشکوۃ: باب التحریض علی قیام اللیل ص ۹۰۱)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کچھ ایسے بالا خانے ہیں جن کے بیرونی حصے ان کے اندرونی حصے سے اور جن کے اندرونی حصے بیرونی حصے سے نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو نرم بات کرے اور کھانے کھلائے اور مسلسل روزے رکھے اور رات میں نماز پڑھے جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

تشریح: مذکورہ حدیث میں چار اعمال ذکر کئے گئے ہیں: ۱) پہلا یہ کہ نرم گفتگو کرنا۔ ۲) دوسرا یہ کہ کھانا کھلانا۔ ۳) تیسرا یہ کہ لگاتار روزے رکھنا۔ ۴) چوتھا یہ کہ رات میں نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

ان چار اعمال کی جس کو عادت ہوگی اور جو ان اعمال کو بجالاتا ہوگا یقیناً وہ صالح اور متقی ہوگا اور خیر کے اسی اندرونی جذبہ کے بنیاد پر اس سے یہ اعمالِ صالحہ صادر ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اس بندے کو اعزاز واکرام سے نوازیں گے۔

پہلا عمل نرم گفتگو کرنا: جس شخص میں بھی شرافت، تہذیب اور اخلاق ہوتے ہیں وہ سخت کلامی اور بدزبانی نہیں کرتا، رحمٰن کے بندے وہی ہوتے ہیں جن کی عادت جاہلوں سے درگذر کرنا اور نرمی اور مٹھاس کے ساتھ گفتگو کرنا اور خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے، جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا: وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (سورۃ الفرقان)

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

دوسرا عمل کھانا کھلانا: عام رواج کے مطابق ہمارے پاس کھانا کھلانے سے مراد دعوت کرنا اور پر تکلف انتظام کرنا سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ حدیث کا منشا صرف کھانا کھلا دینا اور جو میسر ہو اس سے خاطر تواضع کرنا ہے۔ ایک دوسری روایت میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی من عرفت و من لم تعرف فرمایا کہ جس کو جانتے ہو اس بھی کھلاؤ اور جسے نہیں جانتے اس کو بھی کھلاؤ؛ اس لئے کہ یہ بے غرض عمل ہے جس کے لئے جان، پہچان اور معرفت ضروری نہیں، جس نے کھلایا اس نے اجر اور ذخیرہ اپنے لئے جمع کرلیا ہے اور اس عمل سے وہ بخل جیسے مرض سے نجات پا جاتا ہے اور خدا کی عطا کو خدا کے بندوں کی خدمت میں خرچ کر دیتا ہے۔

تیسرا عمل مسلسل روزے رکھنا: اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلا ناغہ مسلسل روزے رکھے اس لئے کہ مسلسل روزوں سے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے؛ بلکہ ایک روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یا مہینہ میں تین دن روزے رکھ لے یا ہر پیر اور جمعرات کو روزے رکھ لے، یہ عمل بھی نفس کی بھرپور تربیت کرنے والا اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے اس لئے بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چوتھا عمل تہجد پڑھنا: جس وقت پوری مخلوق خواب غفلت میں مست اور نیند کی حالت میں مدہوش ہو اس وقت اپنے خدا کی یاد اپنے دل میں بسائے ہوئے اپنے رب سے مناجات میں مشغول رہتا ہو؛ کیوں کہ یہی وہ وقت ہے جب کہ باری تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور بندوں کی حاجت برآری فرماتے ہیں اور اس وقت ریا، نام ونمود کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا اور جس کا دل اپنے رب کی محبت سے سرشار ہے وہی اس وقت اپنی میٹھی نیند کو قربان کر کے خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے۔

ان چاروں عملوں کے بدلے میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسا محل عطا فرمائیں گے جو اپنی پاکیزگی لطافت ونورانیت کی وجہ سے ایسا صاف وشفاف ہوگا کہ اندر سے باہر کا حصہ اور باہر سے اندر کا حصہ پوری طرح نظر آئے گا۔

احادیث میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب وتشویق کے لئے بہت سی جگہ اس طرح کہ انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ بندگانِ خدا اپنے خالق ومالک سے اپنا رشتہ مضبوط سے مضبوط قائم کرلیں اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کا ذخیرہ اپنے پاس جمع کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال کو بہ رضا ورغبت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

تَعْصِی الاِلٰہَ وَ اَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ

از: مدیر

شہر کی بڑی سڑک سے ایک مذہبی جلوس گذر رہا تھا، ایک ثقہ اور پابند بزرگ سڑک عبور کرنے کے لئے ایک طرف کو کھڑے جلوس گذرنے کا انتظار کر رہے تھے، اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ دو جلوسی مجمع سے علاحدہ ہو کر سڑک کے کنارے پہونچے، ان میں سے ایک بے تابی سے قے کر رہا تھا، دوسرا اس سے کہہ رہا تھا ''میں نے تجھے پہلے ہی بتایا تھا کہ زیادہ مت پی، تجھے عادت نہیں ہے برداشت نہیں کر سکے گا''۔

آپ کیا سوچتے ہیں؟ یہ کرسمس کی خوشی میں نکالا گیا عیسائیوں کا جلوس ہوگا، یا ہنومان جینتی کی یاد میں نکالا گیا ہندوؤں کا جلوس ہوگا، یا گرونانک کی پیدائش پر نکالا گیا سکھوں کا جلوس ہوگا؛ جی نہیں! یہ امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین طاہر ومطہر پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یوم ولادت پر نکالا گیا مسلم جنونیوں کا جلوس تھا؛ ممکن ہے آپ کو اب بھی یقین نہ آوے مگر کیا کیا جائے اور کیوں بیان نہ کیا جائے کہ یہ چشم سر سے دیکھا ہوا جیتا جاگتا واقعہ ہے، نہ خواب نہ افسانہ!![1]

دو سال قبل کی بات ہے، راقم سطور نے شہر کی ایک مسجد میں بعد عصر دینی بات سنانے کا وعدہ کر لیا تھا، یہ ذہن میں نہ تھا کہ اس دن ۱۲ ربیع الاول ہے، عصر سے آدھا گھنٹہ قبل مسجد جانے کے لئے نکلا تو ایک میلادی جلوس سے سابقہ پڑ گیا، آزاد قسم کے نوجوان سروں پر سبز پٹیاں باندھے کچھ موٹر سائیکلوں پر سوار کچھ لاریوں پر چڑھے ہوئے ہنستے بولتے دل لگی کرتے اور نعرے لگاتے ہوئے چلے جا رہے تھے، دل لگی ایسی جیسے کوئی کھیل تماشہ اور تفریح ہو رہی ہو، پانی کی پیکٹس ـــــ جو جگہ جگہ سبیلیں لگا کر بانٹی جا رہی تھیں ـــــ سے ایک دوسرے پر پچکاریاں مارتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے، درمیان میں ایک آٹو ٹرالی پر گنبد خضراء کی شبیہ رکھی تھی، کچھ

[1] ایسے متعدد واقعات کئی لوگوں سے سننے کے بعد اس عنوان پر قلم اُٹھایا گیا ہے۔

نوجوان اُس کے اطراف رقص کرتے ہوئے گھوم رہے تھے؛ یہ مسلمانوں ہی کے محلے تھے، میں مسجد پہونچنے کی فکر سے ڈرائیور سے کہہ رہا تھا کہ سڑک چھوڑ کر کوئی گلی اختیار کرلیں مگر وہ جس گلی میں گاڑی موڑتا اس گلی کو کھانا کھلانے والے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قناتوں سے گھیرا ہوا تھا، عصر کی اذانیں ہوتی رہیں، جلوسیوں کے جوش وخروش بلکہ شور وغل میں کوئی فرق دکھائی نہ دیتا تھا، بالآخر مجھے ایک مسجد تک پہونچنے میں کامیابی ملی، دو رکعت نماز ہوچکی تھی، سوائے بستی کے چند بوڑھے لوگوں کے مسجد میں کوئی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ پہونچا تھا، البتہ جب نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے باہر نکلا تو میری کار پر مفت ہی میں ایک ہری جھنڈی بندھی ہوئی ملی؛ ایک غیر مسلم کار پلٹا رہے تھے، وہ ہمیں دیکھ کر کہنے لگے ''اس طرف میرا گھر ہے مگر کہیں سے پہونچ نہیں پا رہا ہوں''۔

ابھی چند دن قبل بارہویں کی شب ایک سفر سے شہر واپس ہوا، رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے، سو ڈیڑھ سو نوجوان ایک جلوس کی شکل میں جھنڈیاں لہراتے اور نعرے لگاتے ہوئے گذر رہے تھے، ان میں سے کچھ موٹر سائیکلوں پر سوار ایک دوسرے پر لدے جارہے تھے، اور کچھ پیدل چل رہے تھے، اکثر برہنہ سر اور تنگ جنس پینٹس میں ملبوس تھے بعض نائٹی پہنے ہوئے تھے، ـــــ جو ایک طرح کی برہنگی ہی ہوتی ہے ـــــ ان میں سے چند ایک نامردوں کی طرح سُرینیں مٹکاتے ہوئے رقص کررہے تھے اور بقیہ اس رقص سے محظوظ ہورہے تھے؛ میں نے ان گستاخ و بے تہذیب حرکتوں پر تعجب کا اظہار کیا تو ایک رفیقِ سفر نے یہ کہہ کر تعجب بڑھا دیا کہ ان حرکتوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضوں سے تعبیر کرنے اور عینِ ایمان قرار دینے والے ایک علامہ نے خود دورانِ تقریر رقص کرکے دکھایا اور بتلایا ہے کہ یہ سنت ہے؛ تب سے یہ سلسلہ چل پڑا ہے۔ فیاللعجب ویاللاسف!

حیدرآباد شہر کا حال یہ ہے کہ عام حالات میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچنا دوبھر ہوگیا ہے، بسا اوقات سواریاں اس قدر متعارض ہوجاتی ہیں کہ بحال کرنے میں اچھا خاصا وقت نکل جاتا ہے؛ ۱۲/ربیع الاول کو ایک صاحب مجھ سے ملنے کے لئے عصر میں آنے والے تھے، بہت دیر سے پہونچے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ فلاں چوراہے پر ـــــ جو انتہائی مصروف رہتا ہے ـــــ عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھنڈیاں لہراتے ہوئے اور نعرے لگاتے ہوئے پہونچے اور کوئی آدھا گھنٹہ ٹھیرے رہے، نتیجے میں چاروں جانب ٹریفک کا اژدحام ہوگیا، چھوٹی بڑی سب ہی سواریاں پھنس گئیں؛ نہ معلوم اس حرکت کے ذریعہ یہ جنونی نوجوان بردرانِ وطن کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا پیغام دینا چاہتے تھے؟

ظہر بعد ایک حکیم صاحب سے ملنے کے لئے میرا جانا ہوا، یہ اس علاقے میں رہتے ہیں جو آج کل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار کا نمایاں مرکز بنتا جارہا ہے، دن بہ دن اس سڑک پر کوئی ایک کلومیٹر کی مسافت میں پھیلی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر کی جانے والی خرافات کا چرچا اور شہرہ بڑھتا جارہا ہے، یہاں کی جانے والی

اسراف وتبذیر اور عقل وخرد سے مُعرّیٰ حرکتوں کی داستانیں عوام اور علماء کی کئی ایک زبانوں سے راقم السطور کے علم میں آتی رہتی تھیں، میں اسے مبالغے اور غلو فی النقل پر محمول کرلیا کرتا تھا مگر آج جب یہاں سے گذرنا اور شبِ ولادت کے جشن کی تیاریوں کو بہ چشم خود دیکھنا ہوا تو زبانی نقل کرنے والوں کی باتیں غلو نہیں تقصیر معلوم ہوئیں؛ میں اگر ان حماقتوں اور اندھی عقیدتوں کا نقشہ کھینچوں تو چند سطریں نہیں کئی صفحات چاہئیں۔

پوری سڑک کے طول وعرض پر بجلی کے قمقموں سے چھت سی بنادی گئی تھی، جس میں ہر چند میٹر پر خوبصورت اور قیمتی جھومر آویزاں تھے، وقفے وقفے سے خوبصورت کمانیں نصب کی گئی تھیں، جگہ جگہ پانی کے عارضی فوارے تیار کئے گئے اور انہیں ہمہ رنگی روشنیوں سے مُلوّن کیا گیا تھا، ایک جگہ تو اس کی بلندی سر اُٹھا کر دیکھنی پڑی، سڑکیں دھلوا کر پاک کی جارہی تھیں، سڑک کی دونوں جانب رنگا رنگ روشنیوں کی دیوار کھڑی کی گئی تھی، جس کے پیچھے ہزاروں میٹر سبز وسفید کپڑوں کی دیوار تنی ہوئی تھی، جگہ جگہ جلوس کے استقبال کے لئے اسٹیج سجائے گئے اور پانی کی سبیلیں قائم کی گئی تھیں، بلا مبالغہ کروڑوں روپئے کے مصارف سے یہ سڑک ننگِ قارون ورشکِ مُسرفین بنی ہوئی تھی، اختتام پر یہ دیکھنے میں آیا کہ ایک بڑا چبوترہ سفید کپڑے کے تھانوں سے روشن تھا، اور اس پر چاندی کی طرح چمکتی مسقّف رتھ رکھی ہوئی تھی، اس کی چھت میں ایک قیمتی جھومر جگمگا رہا تھا اور اُسے کھینچنے کے لئے چار مصنوعی خوبصورت گھوڑے کھڑے ہوئے تھے، خدا جانے یہ سواری کس کے لئے تیار کی گئی تھی اور کیا عقائد اُن کے تھے؟

مختصر یہ کہ ۱۲ ربیع الاول کے موقع سے جو حالات شہروں میں بالخصوص ہمارے شہر حیدرآباد میں نظر آرہے ہیں وہ اگرچہ کہ لوگ ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے مسرت وشادمانی کے اظہار اور اقوامِ وطن کے سامنے فخر وافتخار کے جذبے میں مغلوب ہوکر انجام دے رہے ہوں مگر ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہر عقل مند مسلمان کا ضمیر پکار اُٹھتا ہے کہ اب عیسائیوں کے جشن میلاد مسیحی اور مسلمانوں کے جشن میلاد محمدی میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا ہے، بادہ نوشی کی خبریں تو مل ہی رہی ہیں، عورتوں کے اختلاط وبدکاری کی اطلاعات میں بھی کچھ دیر نہیں رہ گئی ہے الامان الحفیظ!

ملک کے ایک بڑے اور عظیم المرتبت ووسیع العلم عالم دین نے حیدرآباد ہی میں منعقدہ جلسۂ یوم افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کوئی پچاس سال پہلے فرمایا تھا:

''انبیاء علیہم السلام جب کبھی دعوتِ توحید ورسالت لے کر قوم کے سامنے تشریف لاتے ہیں تو قوم دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، ایک وہ جوان کی تصدیق کرکے ایمان لاتی اور دارین میں سرخرو ہوجاتی ہے؛ دوسرے وہ جوان کی تکذیب کرکے دو جہاں میں نامراد ٹھہرتی ہے؛ پھر جب وہ نبی دنیا سے پردہ فرما چکتے ہیں تو

ان پر ایمان لانے والے دو گروہ میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک وہ جوان کی راہ پر جم کر ان کی دعوت کو زندہ و تابندہ رکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے، دوسرا وہ جوان کی تعلیمات سے بے پروا ہو کر صرف نام لینے اور نعرے لگانے پر اکتفا کر بیٹھتا ہے؛ افسوس! آج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی یہی ہو رہا ہے۔۔۔۔''

واقعہ یہ ہے کہ سیدنا مسیح ابن مریم علیہما السلام کے رفع الی السماء سے تین سو سال بعد عیسائیوں کو جشن ولادت منانے کا شوق ہوا تھا تو اس وقت بھی پہلے والے ـــــ یعنی نبی کی تعلیمات کی حفاظت اور ان پر استقامت کو ضروری سمجھنے والے ـــــ گروہ نے انہیں اس حرکت سے روکا، مگر انہوں نے بے جا اور معمولی مصلحتوں کے حوالے سے اس پر اصرار کیا، اچھے ارادوں اور نیک تمناؤں سے اس سلسلے کا آغاز کیا، مگر رفتہ رفتہ اس جشن کا جو حشر ہوا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے؛ بالکل اسی طرح سیدنا و سید الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے کئی صدی بعد محمدیوں نے اس سلسلہ کا آغاز کیا تب بھی اس پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کو روکا اور اس پر نکیر کی مگر انہوں نے ہرگز نہ مانا اور اس وقت کے سیاسی دباؤ سے مغلوب ہو کر اہوائے نفسانی اور اغوائے شیطانی کا شکار ہو جانے کو پسند کر لیا، مگر آج اس کی بھی جو گت بن گئی ہے وہ ہر غیرت مند مسلمان کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے!

میں اِس مکتبِ فکر کے علماء و مشائخ ـــــ جن کی سرپرستی یا کم از کم نرم گوشگی ان حرکات کے مرتکبین کو حاصل ہے ـــــ سے نہایت احترام کے ساتھ دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ مجھے آپ حضرات کی نیات و جذبات پر انگلی اُٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور میں اس بارے میں کوئی گستاخی بھی نہیں کرتا لیکن اتنی گذارش راقمِ عاجز کی ضرور سماعت فرمائے کہ خدارا اپنی قوم کے اِن بے ہنگم جذبات کو لگام دیجئے؛ ہم سب کے باوقار و ذی احتشام نبی کے وقار و احترام کو یوں سڑکوں پر نیلام ہونے سے بچا لیجئے، کیا اتنے بڑے اور اتنے پیارے اور اتنے عظیم محسن کے احسان کا حق ایک رات کی چند اُوچھی حرکتوں سے ادا ہو جائے گا جو فرائض و واجباتِ دین کو دیدہ و دانستہ ترک کرتے ہوئے اور چند در چند منکرات و مکروہات کے مرتکب ہوتے ہوئے انجام دی جا رہی ہیں؟

اگر شیعہ محبتِ اہلِ بیت کے نام پر محرم تمام جھوٹے اور من گھڑت قصے سنا سنا کر چورا ہوں، میدانوں اور بازاروں میں اہلِ بیت کی عزت سے کھلواڑ کرتے ہیں، اگر عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ہر سال بدکاریوں اور حرام خوریوں میں مبتلا ہو کر ان کے عزت و عظمت کا سودا کرتے ہیں، اگر ہندو اپنے ہنومان کے نام پر ہر سال طوفانِ بدتمیزی بپا کرتے ہیں تو تقدیس و احترام اور عقیدت و محبت کے یہ انداز یہ جتن انہیں مبارک ہوں، ہمیں اعتراض کا کیا حق؟ مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔ مگر جن کی مبارک زندگی اور باوقار و خوب صورت حیات کی

اُن کے رب نے قسم کھائی ہو، جن کی شرم وحیا سے کنواری لڑکیاں شرما گئی ہوں، جن کے اخلاق کی بلندیوں اور مقام کی رفعتوں کے آگے بڑے بڑے معاندوں اور دشمنوں کی گردنیں جھک گئی ہوں، اور جن کی تعلیمات کی پاکیزگی، فکر ونظر کی باریکی اور انسانیت نوازی کو انسان تو انسان، حیوان بلکہ بے جان تک سلام کرتے ہوں ان کی عزت واحترام، عظمت ومقام اور تقدس واحتشام کو اس قدر نازل وسافل نہ ہونے دیجئے کہ سڑک چھاپ اور بازاری لوگوں کے جاہلانہ خیالات اور سافلانہ خواہشات کے تابع ہوجائیں، اور یہ خیالات وخواہشات خدانخواستہ کل کو اس سے بدتر شکل اختیار کرجائیں۔

میرے قابل احترام بزرگو! بات میں شاید سخت کہہ رہا ہوں مگر قلم میں یہ سختی خدا شاہد ہے کہ محض اس دُکھ کی وجہ سے آئی ہے ـــــ جو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر عوام کی بڑھتی ہوئی بے راہ رویوں، آقائے معظم ومحتشم کو دُکھی کرنے اور ان کے مقامِ بلند سے میل نہ کھانے والی بلکہ ان کی طرف سے ممنوع ومذموم قرار دی جانے والی حرکتوں کے مشاہدے کے بعد دل میں اٹھ رہا ہے ـــــ ہمارے چہروں پر تو آپ نے گستاخیٔ رسول اور بے ایمانی کا داغ لگایا ہوا ہے، جبکہ حاشا للہ ہم ان الزامات سے بری ہیں اور ہزار بار پناہ مانگتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اُن کی ذات تو کُجا ان کی سنت کی بھی ادنیٰ گستاخی آدمی کو ایمان سے کفر میں لے جانے کے لئے کافی ہے، ہم خود ایسے لوگوں کو کافر ومُرتد اور قطعی جہنمی مانتے ہیں، ہماری اور ہمارے اکابر کی اس صراحت کے باوجود آپ کو اصرار ہی ہے تو ہم رجوع وتوبہ اور تجدید ایمان کرتے ہیں، اور اس میں ہمیں کوئی عار نہیں ہے۔

اب اس کے بعد تو آپ حضرات ہماری تضلیل وتکفیر کا فضول کام چھوڑ کر اپنے پر اعتماد کرنے اور اپنی بات ماننے والے لکھوکھا مسلمانوں کو صراطِ مستقیم دکھایئے؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے غفلت، ان کی تعلیمات کی ہتک سے اُنھیں باز رکھیئے، ہم تو سمجھانے سے رہے، کیوں کہ وہ آپ لوگوں کے اعتماد پر ہر خیر خواہی کو دشمنی اور ادب نمائی کو بھی گستاخی سمجھتے ہیں؛ کیا آپ کو یہ دن بہ دن بڑھتی بے راہ رویاں متفکر وبے چین نہیں کرتیں؟ کیا آپ بھی عوام کی طرح یہی سمجھتے ہیں کہ یہی حرکات حُبِّ رسول کا حق ادا کرنے کے لئے کافی ہیں؟ ہمیں یقین ہے کہ آپ خود عوام کے ان بے قابو جذبات سے ضرور متفکر ہوں گے تو پھر آپ لوگوں کو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ ذرا قلم اٹھایئے، اور اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایئے!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آپ کہہ دیجئے (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگو!) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (آل عمران: ۳۱)

دوسری جگہ ہے: جو لوگ (اس نبی پر) ایمان لائے، ان کی تعظیم کا حق ادا کیا، ان کے دین کی نصرت کی

اوراس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(سورۃ الاعراف:۱۵۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔(مشکوٰۃ:کتاب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:''تم میں سے جس کو کسی کی اتباع کرنا ہے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا اتباع کرے کیوں کہ وہ اس امت کے سب سے افضل، پاک دل، عمیق العلم، بے تکلف وتصنع لوگ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں صحبتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقامتِ دین کے لئے خود منتخب کیا تھا، پس تم لوگ ان کے بلند مرتبوں اور معتبر طریقوں کا اعتراف کرو، اوران کے آثار وانداز کا اتباع کرو، جس قدر ممکن ہو انہی کی سیرت واخلاق سے چمٹے اور لپٹے رہو، کیوں کہ وہی لوگ ہدایت کی صحیح راہ پر تھے۔(مشکوٰۃ کتاب الایمان)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: محبتِ رسول کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جائے، فرائض وواجبات کے علاوہ سنتوں کی ادائیگی کا بھی اہتمام کیا جائے، یعنی محبت صرف زبانی جمع خرچ اور نعرے لگانے کا نام نہیں ہے بلکہ محبت اُسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھل جانے کا نام ہے،۔۔۔۔۔۔جس شخص سے تجھے محبت ہے اس کے اعمال کو کتاب وسنت پر پیش کر، اگر اس کے موافق ہیں تب تو بہتر ورنہ اس کی محبت کو ترک کردے۔(فیوض یزدانی ص:۷۱)

مجدد الفِ ثانیؒ فرماتے ہیں: اس نعمتِ عظمیٰ یعنی وصول الی اللہ کا حصول سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے، بندہ جب تک اپنے آپ کو پوری طرح شریعت میں گُم نہ کردے، اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے باز رہنے کے ساتھ اپنے کو مزین نہ کرے اس دولت ونعمت کی خوشبو بھی بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی؛ شریعت کی بال برابر مخالفت کے باوجود اگر کچھ احوال ومواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں داخل ہے، محبوبِ رب العالمین کی اتباع کے بغیر اُخروی عذاب سے خلاصی اور نجات ناممکن ہے۔۔۔(مکتوب:۷۸)

محدث دکن حضرت ابوالحسناتؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرنے والو! اگر تم عمل سے خدا اور رسول کی مخالفت کرتے ہوئے محبت کا دعویٰ کررہے ہو تو یاد رکھو! دھوکہ کھا رہے ہو، جلد اپنی خبر لو، اور آپ کے طریق پر چلو تو سچے محبت کرنے والوں میں تمہارا شمار ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرو، اور مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرو، اس کے بغیر امن نصیب نہیں ہوتا۔(مواعظِ حسنہ ص:۱/۲۱۱)

آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار مبارک کا شوق ہے تو یہ آپ کے کمالِ ایمان کی علامت ہے، بابا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کرنا اور تمام سنتوں کا پابند رہنا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں دیکھنا ہے، خواب میں دیکھنے سے بیداری کا دیکھنا افضل ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کرنے والو! صرف

عظمت کرنے سے کام نہ چلے گا، عظمت کے ساتھ ساتھ تابعداری اور محبت بھی ضروری ہیں۔ غرض پورے پورے حقوق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادا ہوں، ہم سے کما حقہ محبت واطاعت تو کیا ہوسکتی ہے، کم سے کم نقل میں تو ویسی شکل وصورت بنالینی چاہیئے۔ (ایضا: ۱/ ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرنے والو! اگر آپ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمداً مخالفت کررہے ہو تو یاد رکھو دھوکہ کھارہے ہو، جلد اپنی خبر لو اور قول وفعل عادات واطوار اور عقائد میں آپ کے طریق پر چلو تو اللہ تعالیٰ سچی محبت کرنے والوں میں آپ کا شمار ہوگا۔

ممکن ہے کہیں آثارِ مبارک نہ رہے ہوں، لیکن ان کی نسبت تو ہے، ہمیں اس جگہ کا بھی ادب کرنا چاہیئے، ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہی ادا نہیں کررہے ہیں تو آثارِ مبارک کے حقوق کیا ادا کریں گے، ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین حقوق ہیں: محبت، متابعت، عظمت، صحابہ کرامؓ نے ان تینوں حقوق کو ادا کیا ہے، اسی طرح ہمیں بھی چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلیں۔ (ایضا: ص ۲۱۴)

جب اللہ تعالیٰ اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اولیاء عظام سب ہی ہمیں یہ بتلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جس کے نتیجے میں نجاتِ اُخروی اور نعیم ابدی کا بندہ مستحق ہوتا ہے اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ ہم ان کے احکامات وتعلیمات کو اہمیت دیں اور انہیں کی روشنی میں زندگی کی صبح وشام، خوشی وغمی اور کسب وصرف غرض ہر ہر عمل کو بجالائیں تو پھر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر سرانجام دی جانے والی ان فضول ومجہول بلکہ مذموم ونامعقول حرکات کو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے؟

تعصی الاله وانت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیعٔ
ان کنت صادقا فی الحب لاطعته
ان المحب لمن یحب یطیع

گوشۂ خواتین

کسی کو حقیر سمجھ کر عاقبت خراب نہ کیجئے

مفتی محمد احمد علی قاسمی*

دنیا میں انسانوں کی ظاہری تخلیق و بناوٹ میں اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کا کوئی بھی اختیار اور دخل نہیں رکھا؛ بلکہ اپنی چاہت ومنشا کے مطابق اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے جس کو جیسا چاہا بنایا؛ اسی وجہ سے دنیا میں ہمیشہ انسان مختلف قسم کے صورتوں اور شکلوں میں جیتے اور بستے نظر آرہے ہیں، خوبصورت بھی بدصورت بھی ،قدوقامت والے بھی اور پستہ قد بھی، قوی وتندرست بھی اور لاغر وکمزور بھی، قدرت وطاقت والے بھی اور عیب ونقص رکھنے والے بھی، الغرض ہر قسم کے حسن وخوبیوں سے مالا مال بندے اور بندیاں بھی ہیں اور اُن سے محروم بھی؛ اِن سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ضابطہ اور اُصول مسلم اور طئے شدہ ہے کہ مقبولیت ومحبوبیت (پسندیدگی) کا معیار ظاہری خوبیاں نہیں ہیں؛ بلکہ باطنی اور اندرونی خوبی (تقوی اللہ اور خوفِ خدا) ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات: ۱۳) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو؛ لیکن ہر شخص کے اندر فطری طور پر یہ کمزوری اور خرابی ہوتی ہے کہ اگر وہ حسن وکمال کی خوبی سے آراستہ ہو تو وہ اپنی کوئی بھی اچھی حالت کی وجہ سے بسا اوقات کبر وعُجب (یعنی اپنے کو بڑا اور اچھا سمجھنا) میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی ظاہری خوبی وکمال سے محروم ہے تو وہ اپنی محرومی کی وجہ سے دوسروں کی نعمت کو دیکھ کر کینہ وحسد اور عداوت ودشمنی کا شکار ہوجاتا ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نعمت کے ملنے پر ہر شخص اللہ تعالیٰ کا فضل ومہربانی سمجھ کر شکر ادا کرے اور دوسروں کو حقیر اور کمتر نہ سمجھے، اور نعمت کے نہ ملنے کی صورت میں صبر ورضا کی صفت اختیار کرے، اَوروں کی خوبیوں اور کمالات کو دیکھ کر حسد وجلن میں مبتلا نہ ہو، ہر دو قسم کے لوگوں کیلئے اسلام کی یہ تعلیم وہدایت ہر طرح کے راحت وسکون اور امن وامان کا ذریعہ ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ عام طور پر جانے انجانے میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے بدصورت وبدشکل بندے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

اور بندیوں کو حقیر و کمتر سمجھتے ہیں، اور بعض دفعہ زبان و عمل سے اظہار بھی کر دیتے ہیں، خاص طور پر عورتیں اس مرض و بیماری کا زیادہ تر شکار ہوتی ہیں، دوسری عورتوں کی کمی کوتاہیوں اور عیب و کمزوریوں پر طنز و طعن کرتی ہیں اور اپنی مجلسوں، محفلوں، غائبانہ دوسری عورتوں کی بدگوئی کر کے ان کی بے آبروئی اور بے عزتی کا سبب بنتی ہیں؛ جبکہ طعن و طنز کر کے یا کسی کی کمی کوتاہی اور عیب و نقص کو بیان کر کے ہنسنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ (جس پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ (جس پر ہنستی ہیں) وہ ان (ہنسنے والیوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو (سورۃ الحجرات: ۱۱)

یہ ساری باتیں ایسی ہیں جس سے کسی بھی شخص کی بے آبروئی اور بے عزتی ہوتی ہے جو دل آزاری اور تکلیف و اذیت کا سبب ہے، ایسی ہر حرکت (جس سے کسی کی تحقیر اور اُس کے نتیجہ میں بے عزتی اور تکلیف ہو) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی منع فرما دیا؛ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ کسی موقعہ پر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر دیا کہ صفیہ بس اتنی سی ہے (یعنی اس کے حسن وغیرہ کی مزید خامی بتانے کی ضرورت نہیں ہے، پستہ قد ہونا ہی کافی ہے) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اُسے سمندر میں ملا دیا جائے تو سمندر کو بھی بگاڑ دے۔ یہ واقعہ بتا کر حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اُتاری اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں کسی شخص کی نقل اُتاروں اگرچہ مجھے ایسا کرنے پر (دنیا کی) اتنی دولت مل جائے (سنن ابی داؤد)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص کی جانب کوئی بھی غلط نسبت کرنے پر بھی سخت ناراض ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں حضرت صفیہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ دونوں تھیں، حضرت صفیہؓ کے اونٹ کو تکلیف ہوگئی، چونکہ حضرت زینبؓ کے پاس سواری ان کی اپنی ضرورت سے زیادہ تھی اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: کہ صفیہ کے اونٹ کو تکلیف ہوگئی ہے تم ان کو ایک سواری دے دو، اُنھوں نے جواب دیا: کیا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور دو تین ماہ تک حضرت زینبؓ کے پاس تشریف نہ لے گئے، حتیٰ کہ حضرت زینب اِس سے ناامید ہوگئی کہ آپ اُن کے پاس تشریف لائیں گے۔

دوسروں پر تبصرے کرنا، فقرے کسنا، تنقید کے نام پر ہر قسم کی بے ہودہ گوئی کرنا، اور ہر کسی کے بارے میں زبان پر آئی ہر بات کہہ دینا عورتوں میں عام ہے، زبان کے اس بے جا اور ناروا استعمال کی وجہ سے نہ جانے

دن رات میں کتنے اللہ کے بندے اور بندیاں کسی کی بے آبروئی اور بے عزتی کر بیٹھتی ہیں؛ جبکہ کسی کا اس کے عیب ونقص کی وجہ سے مذاق اُڑانا اور کسی کو اس کی بدصورتی و بدشکلی کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھنا اِس قدر بڑا جرم اور گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِن سب کا صراحت ووضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا اور اِن سے بچنے کا حکم فرمایا اور اگر کوئی عورت ناعاقبت اندیشی اور بے خبری میں کسی کو اُس کی ظاہری جسمانی عیب وخرابی کی وجہ سے حقیر اور کمتر سمجھتی ہے تو اپنی ہی محرومی اور خسارہ کا سامان کرتی ہے، اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی احتیاط فرماتے تھے اُس کا اندازہ اِس حدیث سے کریں، حضرت عطا بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جب شروع میں مدینہ آئے تو ان کو چیچک نکل آئی اور وہ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ اُن کی رینٹ اُن کے منہ پر بہتی تھی، حضرت عائشہؓ کو اُن سے گھن آتی تھی، ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے اور اُسامہ کا منہ دھونے لگے اور اُنھیں چومنے لگے اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس رویہ کو دیکھنے کے بعد اب میں کبھی بھی اُن کو اپنے سے دور نہ کروں گی''۔

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے انتظار میں عرفات سے روانگی موخر (دیر) فرمادی، جب حضرت اُسامہ بن زید آئے تو لوگوں نے دیکھا کہ نوعمر لڑکے ہیں، ناک بیٹھی ہوئی ہے، اور رنگ کالا ہے، اس پر یمن والوں نے کہا: اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں اتنی دیر روکا گیا؛

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں: کہ اسی وجہ سے یمن والے کفر میں مبتلا ہوئے مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہمن والے جو مرتد ہوئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس رویہ کو حقیر سمجھنے کی سزا میں ہوئے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عروہؒ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یمن والے حضرت اسامہؓ کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ہی کفر میں مبتلا ہوئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۳/ ۴۷۳)

اس واقعہ کو عبرت کی نگاہ سے پڑھیں اور زندگی میں ہمیشہ دوسروں کے بارے میں زبان کھولنے اور کچھ کہنے سے پہلے ہزار بار سونچیں، خیر اور نصیحت کی بات ہو تو کہیں اور اگر حقارت وندامت کی بات ہو تو احتیاط کریں اور ہر دم اپنی کمی کوتاہیوں کو سونچتے رہیں کہ اگر ہم نے اُس کی فکر شروع کردی تو دوسروں کے عیوب ونقائص کی طرف نظر کرنے کی فرصت اور موقعہ ہی نہ ملے۔

گوشۂ خواتین

از: سارہ بوکر

عریانیت سے نقاب کی طرف

پردہ عورت کی حقیقی عزت اور آزادی کی علامت

ترجمہ: مولانا یحییٰ نعمانی ندوی*

[سارہ بوکر (Sara Bokker) ایک امریکی نومسلم خاتون ہیں، اپنی جاہلیت کے زمانے میں وہ ایک ماڈل، فلم ایکٹریس اور Fitness instructor کی حیثیت سے جانی جاتی تھیں۔ زیر نظر مضمون میں انہوں نے اپنے ''جاہلیت سے اسلام کی طرف سفر'' کی کچھ مختصر سی داستان لکھی ہے اور اپنا یہ تجربہ بھی بتایا ہے کہ مغرب عورت کی جس آزادی کی عالم گیر دعوت کا نقیب ہے، وہ اس راستے کی انتہاؤں تک جا چکی ہیں، وہاں انہوں نے اپنی نسوانیت کو جس حال پر پایا وہ آخری درجہ ذلت اور غلامی کا حال تھا، خود اعتمادی، احترامِ نسوانیت اور وقار ان کو واپس آکر وہاں ملے جس کو حیا و حجاب کی اسلامی تہذیب کہتے ہیں۔

اس بہن کی تحریر ایمان و حمیت سے لبریز ہے، ہم جیسے ''نسلی مسلمانوں'' کے لیے اس کا اسلام اور شریعتِ اسلام پر یہ اعتماد قابل رشک بھی ہے اور اس کی بصیرت رہنما بھی؛ یہ مضمون اس قابل ہے کہ ہم اس کو مجلسوں میں پڑھ کر سنائیں، خصوصاً نوجوانوں اور گھر کی بچیوں اور عورتوں کو پڑھوایا جائے اور سنایا جائے، اس میں حق پر ثابت قدمی اور دین پر استقامت کا پیغام ہے اور کفر کی تہذیب سے براءت اور جاہلیت کی چمک دمک سے بے پروائی و بیزاری اور اس کی تحقیر کا سبق ہے اور یہ ایمان کا بڑا سبق ہے۔ یحییٰ]

میں ایک امریکی خاتون ہوں، جو امریکہ کے ''قلب نیویارک'' میں پیدا ہوئی، میری نوجوانی ایک ''امریکی لڑکی'' ہی کی طرح گذری، میرا ایک ہی شوق تھا: امریکہ کے ''عظیم شہر'' کی گلیمر بھری زندگی میں جاذبیت اور دلکشی کی دوڑ میں مَیں بھی حصہ لوں، پھر میں فلوریڈا کے شہر میامی کے ایک ساحلی مقام پر رہنے لگی جو علاقہ ''گلیمرس زندگی'' چاہنے والوں کی آخری خواہش ہوتا ہے، جو شراب و شباب کی سرمستیوں کی عروج گاہ ہے، میری زندگی وہاں ویسی ہی تھی جیسی ایک عام مغربی لڑکی کی ایسے مقامات پر اور ان مواقع کو پا کر ہوتی ہے،

*ناظم المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنؤ

میری ساری توجہ اپنے سراپے اور اس پر تھی کہ میں کیسے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر اور دلکش بن جاؤں، اور کس طرح میری ہر ادا مسحور کن اور دل ربا ہو جائے، میری نظر میں میری اہمیت اور مقام و مرتبہ کا پیمانہ یہی تھا کہ دوسروں کی کس قدر توجہ مجھے ملتی ہے۔

میں نے وہاں مجنونانہ محنت کی، اور میں ایک ماڈل اور جسمانی ورزش کی ٹرینر بن گئی، پھر میں نے ساحلی مقام پر ایک ایسا فلیٹ خرید لیا جس کی کھڑکیاں سمندر کی طرف کھلتی تھیں، میں پابندی سے ساحل پر (پورے مغربی انداز میں) تفریح کرنے جانے والی لڑکی بن گئی، اب میری زندگی مغربی معیار سے وہ تھی جس کے خواب دکھائے اور دیکھے جاتے ہیں۔

مدت گذری، پھر سال گذرنے لگے اور میرے اندر اطمینان و سکون بجائے بڑھنے کے کم ہوتا گیا، میری نسوانی کشش جس قدر بڑھتی جاتی اور جتنا میں (بظاہر) کامیابیوں کی منزلیں طے کرتی میرے اندرونی خلا اور بے اعتمادی میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا، میں شدید قسم کی ذلت اور حقارت میں اپنے آپ کو ڈوبا ہوا محسوس کرتی، میں فیشن کی غلام بن گئی تھی، اور میرا مصرف بس یہ تھا کہ دوسروں کی آنکھوں اور دلوں کو خوش کروں۔

میرا معیار زندگی جتنا ''اونچا'' ہوتا میرا اعتماد اتنا ہی نیچا ہو جاتا، میں نے ان حقائق سے منہ چرانا چاہا؛ مگر وہ فرار کے ہر موڑ پر مجھ کو منہ چڑانے کے لیے موجود ہوتے، آخر میں اپنے آپ سے اوب گئی، میں نے نشہ کی پناہ لی کلبوں اور پارٹیوں میں جا کر دل بہلانا چاہا؛ مگر سب بے سود میں نے روحانی مراقبوں سے اپنی بے سکونی کا علاج کرنا چاہا، جب یہ تدبیر ناکام ہوگئی تو مذہب بدلے، ایکٹوازم کا سہارا لیا، یعنی فلاحی اور اجتماعی تحریکوں میں لگی، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق میری ترقیوں میں جو اضافہ ہو رہا تھا، اور میرا لائف اسٹائل جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا میری اندرونی بے اعتمادی کی آگ مجھے جلاتی جا رہی تھی۔

اسی دوران نائن الیون ہوتا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کے بعد اسلام اور اسلامی اقدار و تہذیب کے خلاف ایک خطرناک اور چوطرفہ حملہ ہو چکا ہے اور پھر بدنام ''نئی صلیبی جنگ'' کا بھی اعلان ہوتا ہے، اب مجھے اسلام نامی ایک چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے، اب تک تو میرے ذہن میں اسلام کے نام پر صرف چند تصویروں کے نقوش تھے: ترپالوں میں لپٹی عورت، بیویوں کو پیٹتے مرد، گھروں کے پچھلے حصے میں زنان خانے، اور دہشت گردی کی دنیا۔

میں ایک سماجی کارکن تھی جو عورتوں کی آزادی کی علم بردار اور دنیا میں لوگوں کی بہتر زندگی کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی، اپنے اس کام کے سلسلے میں میری ملاقات ایک سینئر کارکن سے ہوئی جو اس سلسلے میں اچھا کام کر چکا تھا، وہ بلا کسی تفریق کے سارے انسانوں کے لیے انصاف اور بہبود کا داعی تھا، اس شخص سے ملاقات کے بعد مجھے

احساس ہوا کہ انصاف، آزادی اور احترام، یہ آفاقی اقدار ہیں اور سارے انسانوں کو ملنے چاہئیں نہ کہ صرف بعض کو، اب مجھے احساس ہوا کہ سارے انسانوں کے لئے بھلا سوچنا خلوص کے بعد ہی ممکن ہے، پہلے میں صرف چند کے لئے اچھا سوچتی تھی، اب میں بلاتفریق ہر قسم کے لوگوں کے حقوق کے بارے میں سوچنے لگی۔

اچانک ایک دن میرے سامنے قرآن مقدس آیا، مغرب نے جس کی بڑی منفی تصویر بنا رکھی ہے۔ پہلے تو قرآن کے اسلوب و انداز نے مجھے متوجہ کیا پھر اس نے کائنات، انسان اور زندگی کے حقائق اور عبد و معبود کے رشتے پر جو روشنی ڈالی ہے اس نے مجھے مسحور کر دیا میں نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی بصیرت کا مخاطب براہ راست انسان، اور اس کی روح کو بنایا ہے۔ اور وہ کسی بچولیے یا پادری کے بغیر انسان کو اللہ کا مخاطب بناتا ہے۔

آخر کار وہ لمحہ آ گیا جب میں نے سچائی کو تسلیم کر لیا، میں جس منزل کے لیے سرگرداں تھی اور جس سکون کے لیے بے تاب تھی، مجھے یقین ہو گیا کہ وہ صرف اسلام قبول کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ میری داخلی بے تابیوں اور اضطراب کا علاج صرف ایمان سے ہو سکتا ہے اور میرے مسائل کا حل Activisiom (مہم جوئی) میں نہیں عملی مسلم بننے میں ہے۔

میں نے ایک برقعہ اور سر اور گردن کو ڈھکنے والا اسکارف خرید لیا، جو ایک مسلم عورت کا شرعی لباس ہے۔ اب میں اس اسلامی باوقار لباس کے ساتھ ان راستوں اور ان دوکانوں اور لوگوں کے سامنے سے گذرتی جن کے سامنے کچھ دن پہلے میرا گزر بکنی، شارٹ اور ''شاندار'' مغربی لباسوں میں ہوتا تھا۔ سب کچھ وہی ہوتا جو پہلے ہوتا تھا، بس ایک چیز بدلی ہوئی تھی، میں اور میرا اندرونی اطمینان و سکون اور خود اعتمادی اور تحفظ کا احساس، ایسا احساس جو مجھے پہلی مرتبہ ہوا تھا، مجھے لگا کہ ساری زنجیریں ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں، میری گردن کے طوق پاش پاش ہو گئے ہیں، اور میں نے آزادی حاصل کر لی ہے، میں بڑی خوش تھی کہ ان آنکھوں میں اب تعجب اور دوری کے آثار تھے جو پہلے مجھ کو ایسے دیکھتے تھے جیسے شکاری اپنے شکار کو اور باز ننھی منی چڑیا کو، حجاب نے میرے کندھوں کے ایک بڑے بوجھ کو ہلکا کر دیا، مجھے ایک خاص طرح کی غلامی اور ذلت سے نکال لیا، اب دوسروں کے دلوں کو لبھانے کے لیے میں گھنٹوں میک اپ نہیں کرتی تھی، اب میں اس غلامی سے آزاد تھی۔

ابھی میں پردے میں صرف سر اور گردن ڈھکتی، اور ''عبایہ'' (برقعہ) پہنتی؛ مگر مجھے نقاب کی طرف توجہ ہوئی اور وہ اس لیے کہ میں نے دیکھا کہ مغرب کی مسلم عورتوں میں نقاب کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، میں نے اپنے شوہر سے (جن سے اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے نکاح کر لیا تھا) مشورہ کیا، ان کی رائے تھی کہ چہرہ ڈھکنا یعنی نقاب افضل ہے لازمی نہیں، البتہ حجاب یعنی چہرہ کے علاوہ جسم ڈھکنا لازمی ہے، ابھی تک میرا پردہ یہ تھا کہ صرف ہاتھ اور چہرے کو چھوڑ میرا پورا جسم ڈھکا ہوتا میں ایک اسکارف اور ایک ڈھیلا ڈھالا لمبا (گاؤن) عبایہ

استعمال کرتی، ڈیڑھ سال اسی طرح گذرا، پھر میں نے اپنے شوہر سے کہا میں چہرہ بھی ڈھکنا چاہتی ہوں، اس لیے کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ میرے اللہ کو زیادہ راضی کرنے والا عمل ہوگا، وہ مجھے ایک دوکان لے گئے جہاں میں نے ایک ''اسدال'' (ایک عربی برقعہ جو سر سے پاؤں تک ہر چیز ڈھک دیتا ہے) خریدا، اب صرف آنکھیں کھلتی ہیں اور کچھ نہیں۔

ہدایت یابی کا میرا یہ سفر جاری تھا کہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ سیاست دانوں، ویٹیکن کے پادریوں، آزادی کے علم برداروں اور نام نہاد انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والوں نے حجاب ونقاب کے خلاف مہم چھیڑ دی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حجاب عورتوں پر ظلم کی علامت ہے، کوئی اعتراض کر رہا ہے کہ یہ اتحاد ویکجہتی (Integration) میں رکاوٹ بن رہا ہے اور اب مصر سے کسی نے یہ کہتے ہوئے سُر میں سُر ملایا کہ یہ پچھڑے پن کی نشانی ہے۔

یہ بھی کیسی منافقت اور دوغلا رویہ ہے کہ اگر کوئی حکومت عورتوں کے لباس کیلئے کچھ ضابطے بنائے تو مغرب کہتا ہے کہ یہ انسانی آزادی کی مخالفت اور حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے اور اگر عورت اپنے انتخاب سے نقاب اوڑھے تو آپ اس کی آزادیوں کو سلب کرتے ہیں، اس کو تعلیم اور سروس سے محروم کرتے ہیں، یہ ظلم صرف تیونس اور مراکش جیسی استبدادی حکومتیں ہی نہیں کر رہی ہیں؛ بلکہ یہ فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ میں بھی ہو رہا ہے۔

اب بھی میں فیمنسٹ (عورتوں کے حقوق کی حامی) ہوں، مگر ایک مسلم فیمینسٹ جو مسلم عورتوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی ذمہ داریوں کو ادا کریں، اپنے شوہروں کو ایک اچھا مسلمان بننے میں مدد کریں۔ اپنے بچوں کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ استقامت کے ساتھ دین پر جمیں اور اندھیروں میں بھٹک رہی انسانیت کے لیے منارۂ نور بن جائیں، میری آپ کو دعوت ہے کہ آپ ہر خیر کو لازم پکڑ لیں اور ہر شر سے نبرد آزما ہو جائیں حق کی آواز بلند کریں اور بدی کی مخالفت پر کمر کس لیں۔ ہمارے نقاب وحجاب کے حق کے لیے لڑیں اور اللہ کو راضی کریں، میں چاہتی ہوں کہ ہم سب پردہ کرنے والی عورتیں اپنی ساری ان بہنوں کو حجاب کے بارے میں بتائیں جو بدقسمتی سے نہیں جانتیں کہ پردہ کیا مبارک شے ہے، ہم ان کو بتائیں کہ حجاب ہم کو کتنا عزیز ہے، اور ہم کیوں نہایت فخر ومحبت کے ساتھ اس کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔

میں جن معزز خواتین کو جانتی ہوں کہ انہوں نے صرف حجاب پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ نقاب سے چہرہ بھی ڈھکا ان میں سے اکثر مغربی نومسلم خواتین ہیں۔ ان میں سے کچھ تو غیر شادی شدہ دوشیزائیں ہیں، اکثر کو تو نقاب کی وجہ سے مسائل بھی پیش آتے ہیں، ان کی سوسائٹی، خاندان اور گھر کے لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

یہ آزادانہ انتخاب کے حق کو تسلیم نہ کرنے ہی کی ایک شکل ہے کہ معاشرے میں ہر طرف سے ذرائع ابلاغ

کے ذریعہ سے عورتوں پر ننگے ہونے اور بھڑکیلے پن کی حد تک دل ربائی اختیار کرنے کی اندھا دھند تبلیغ کی جائے۔ اور عملاً ان کو خواہی نہ خواہی اس کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے، میرا کہنا ہے کہ عورتوں کو حجاب کی تہذیب کو جاننے کا بھی برابر کا موقعہ دیا جانا چاہئے۔ تاکہ وہ اس پاک و پرسکون تہذیب کی خوبیوں کو جان سکیں اور ان کو وہ معلوم ہو جو مجھے معلوم ہوا ہے۔ میں کل تک عریانیت کو ہی اپنی آزادی کی علامت سمجھتی تھی، پھر مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ ایک پابجولاں آزادی تھی، جس نے مجھ کو خود اعتمادی اور ذاتی اعتماد سے عاری کر دیا تھا، اور میری روح کو بے چینی کی آگ میں ڈال دیا تھا۔

مجھے اپنے فحش لباس کو اتار کر اور مغرب کی دل ربا (Glamorous) طرز زندگی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی معرفت و بندگی والی ایک باوقار زندگی کو اختیار کرنے سے جو مسرت و اطمینان کا احساس ہوا ہے میں اس کی کوئی مثال نہیں دے سکتی۔ ایسی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوتی تھی، اسی لیے چہرہ ڈھکنے اور نقاب پر مجھے اصرار ہے۔ پردہ میرا وہ حق ہے جو میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی، اس کے لیے میں لڑ مروں گی مگر اس کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی۔

نقاب آج عورت کی آزادی کی ایک باعزت علامت ہے جو اس کو گندی مخلوقوں کی ہوس رانیوں کا، ٹائیلیٹ پیپر کی طرح کا (Use and throw) سامان بننے سے بچاتا ہے، نقاب پہن کر عورت پہچانتی ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کا مقصد زندگی کیا ہے، اور اس کو اپنے خالق اللہ سے کیسا رشتہ و رابطہ قائم کرنا ہے۔

جو عورتیں اسلامی حجاب کی باوقار و باحیا تہذیب کے بارے میں مغرب کے قدیم گھسے پٹے متعصّبانہ تصورات کی شکار ہیں ان سے میں کہتی ہوں: ''تمہیں پتہ نہیں تم کس عظیم نعمت سے محروم ہو''۔

اور ''تہذیب'' کے نامبارک ٹھیکے داروں اور نام نہاد ''صلیبیوں'' سے میرا کہنا ہے: تم بھی حجاب کو اختیار کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

آپ ''واٹس ایپ'' کا استعمال کریں مگر!!!!

مفتی محمد مرشد قاسمی*

دنیا اس وقت ٹکنالوجی کے اعتبار سے جس برق رفتاری سے ترقی کر رہی ہے اور آئے دن جس طرح سے مختلف انواع واقسام کی جدید چیزیں وجود میں آرہی ہیں یہ اس جہاں میں سانس لینے والے کسی بھی انسان پر مخفی نہیں، اور ہر عام وخاص اپنی دل چسپی کے بقدر ان سے فائدہ اٹھا رہے اور لطف اندوز ہو رہے ہیں؛ لیکن یہاں یہ بات ضرور پیش نظر ہونی چاہئے کہ یہ چیزیں جس قدر فائدہ مند ہیں اور انسانی ضرورتوں کو جس تیزی سے منٹوں سکنڈوں میں پوری کر دیتی ہیں، کوسوں دور موجود لوگوں کو ایک لمحے میں ایک دوسرے سے بالکل قریب کر کے ہم کلامی کا موقع فراہم کر دیتی ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بے شمار مہلک جراثیم بھی لی ہوئی ہیں، جو انسان کے اخلاق وکردار کو لمحوں میں متأثر کر کے رکھ دیتی ہیں اور برائیوں کا ایسا گرویدہ بنا دیتی ہیں کہ انسان کے لئے ان کا چھوڑنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے، نتیجتاً وہ گناہوں کے دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے اور اپنی دنیا وآخرت دونوں کو تباہ کر بیٹھتا ہے۔

اس سلسلے میں بطور خاص ''انٹرنیٹ'' نے جتنا فساد برپا کیا ہے اور جس قدر بے حیائیاں اور بدامنیاں اس کے ذریعہ وجود میں آئی ہیں اب تک کی نو ایجاد اشیاء میں سے کسی سے بھی اس قدر فساد رونما ہوا نہ اتنی اخلاقی گراوٹ آئی، اور نہ ہی نوجوانوں کے دماغوں کو کسی چیز نے بھی اتنا متأثر کیا۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چیزوں کو ہمیں بالکلیہ ترک کر دینا چاہئے اور اس کے استعمال سے باز آجانا چاہئے؟ ظاہر ہے کہ بالکل ترک کر دینے کا مشورہ تو نہیں دیا جا سکتا؛ کیونکہ اس سے بہت حد تک انسانی ضرورت بھی متعلق ہو چکی ہے؛ مگر ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کے استعمال میں احتیاط برتنا چاہئے اور صرف دینی کاموں اور جائز ومباح کاموں میں ہی استعمال کرنا چاہئے اگر کوئی شخص ''انٹرنیٹ، واٹس ایپ، فیس بک'' وغیرہ کا استعمال اس انداز پر کر سکتا ہے تو کرے، اور اگر وہ مثبت اور اچھے کاموں میں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ برے کاموں اور لایعنی چیزوں میں بھی پڑ جاتا ہے تو پھر ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ

* مدرس جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

برے کاموں میں ان کے استعمال سے پوری طرح بچے، اپنے اندر اللہ کا خوف پیدا کرے، آخرت کو پیش نظر رکھے اور اپنے آپ کو صرف اچھے کاموں میں ان کے استعمال کا عادی بنائے، اور اگر کوئی شخص اسے صرف غلط کاموں میں ہی استعمال کرتا ہے تو پھر اس کے لئے ان چیزوں کو چھوڑ دینا اور پورے طور پر کنارہ کش ہو جانا لازم وضروری ہے؛ تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے بچ سکے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج کل اکثر لوگ ''واٹس ایپ، فیس بک'' وغیرہ کا استعمال اچھی چیزوں سے زیادہ غلط اور لایعنی چیزوں میں کر رہے ہیں، اپنا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں، اور ساتھ ہی دوسروں کے بھی اوقات کے ضیاع کا سبب بن رہے ہیں؛ کیونکہ جب بے فائدہ تحریریں اور ناجائز تصویروں کو دوسروں کو بھیجیں گے تو وہ بھی ان تحریروں کو پڑھیں گے اور ان تصویروں کو دیکھیں گے ان کا بھی وقت ضائع ہوگا گناہ کا بوجھ ان پر بھی لدے گا، اس طرح ان کی وجہ سے ایک دوسرے کبیرہ گناہ بلا وجہ ''تصویر کشی'' کے مرتکب ہوں گے بلکہ کثیر تعداد میں ہو رہے ہیں اور تصویر کشی کی حرمت بھی دلوں سے نکلتی جا رہی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ آج مسلمان اس ''واٹس ایپ'' کے ذریعہ خود اپنے مبارک دین کا مذاق اُڑا رہا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں، اس کی ایک مثال جو ہر اس مسلمان کے دل کو چھلنی کرنے کے لئے کافی ہے جس کے دل میں اس دین حنیف کی ذرہ برابر بھی محبت ہوگی، ابھی گذشتہ رمضان المبارک میں میرے ایک جاننے والے نے مجھ سے کہا کہ میرے ''واٹس ایپ'' پر کسی نے ایک تراویح کی نماز کی ''ویڈیو کلپ'' بھیجی ہے جس میں سات منٹ میں بیس رکعات تراویح پڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے، اور مسلمان ایک دوسرے کو بھیج کر آپس میں اسے تفریح اور خوش طبعی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، اور یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں دوسری بہت سی چیزیں نقلی اور ڈپلیکیٹ پائی جاتی ہیں تراویح بھی (نعوذ باللہ) ایسی ہی پائی جاتی ہے؛ یہ خبر سنتے ہی میرا دل چھلنی ہو گیا، اور میں ایک دم سے تڑپ اٹھا اس موبائل کو دیکھنے سے بھی انکار کر دیا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ آج ہمارے مسلمان بھائیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ یہ تک نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ یہ عمل بالکل غلط ہے، یقیناً جن لوگوں نے اس طرح تراویح پڑھی ہے انہوں نے اس عظیم الشان عبادت کا مذاق اڑایا ہے، وہ لوگ اس مبارک دین کے دشمن ہیں جنہوں نے یہ ویڈیو تیار کر کے ''واٹس ایپ'' پر چلا دی ہے ان کا یہ منحوس عمل انہیں کہاں تک لے جائے گا اچھی طرح غور کر لینا چاہئے، بھلا کیا سات منٹ میں بیس رکعات تراویح ممکن ہے؟ کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ نے ہمیں ایسی ہی تراویح پڑھ کر بتائی ہے اور اسی طرح پڑھنے کی تعلیم دی ہے؟ مگر افسوس صد افسوس کہ رمضان المبارک میں اس عظیم عبادت کا مذاق ہم مسلمان ہی اپنی ناسمجھی اور غفلت کی بنا پر اس منحوس ''واٹس ایپ'' کے ذریعہ اڑا رہے تھے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں تھا۔

بعض مرتبہ یہی ''واٹس ایپ'' اور ''فیس بک'' وغیرہ کی بے حقیقت خبریں اور موضوع باتیں معاشرے میں بدامنی، بے اطمینانی، اور اختلاف وانتشار بھی پھیلا کر رکھ دیتی ہیں جس سے لوگ بالکل پریشان ہوجاتے ہیں جب کہ ان باتوں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی، جو لوگ ان چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ میں نمونے کے طور پر اس قسم کا صرف ایک واقعہ قارئین کرام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جس نے بہت سے لوگوں کے اندر بے چینی پیدا کر دی، اور ان کا سکون غارت ہو گیا۔

رمضان المبارک سے چند دن پہلے یہ خبر اڑا دی گئی کہ جس سال پندرہ رمضان المبارک جمعہ کا دن ہوگا اس میں ایک خاص قسم کی دہشت ناک آواز سنائی دے گی، جس کے اثر سے ہر آدمی غیر معمولی ہیبت زدہ ہوجائے گا ؛لہذا اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر آدمی جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد اپنے گھر میں بند ہوجائے، دروازے کھڑکیاں سب بند کر لے کمبل، چادر وغیرہ اوڑھ لے تا کہ اس وحشت ناک آواز اور اس کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے؛ اتفاق سے اس سال پندرہ رمضان المبارک کو جمعہ کا دن تھا، لہذا لوگوں میں یہ بات چل پڑی کہ اسی رمضان المبارک میں ایسا ہوگا اور لوگ پریشان ہونا شروع ہو گئے اگر چہ کہ علماء حق نے اس کی پوری تردید کی اور وضاحت فرمائی کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے اگر یہ بات حدیث کے نام پر چلائی گئی ہے تو یقیناً یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا ہے، جھوٹ ہے؛ مگر پندرہ رمضان المبارک کو ایسا کچھ نہ ہوا جس سے علماء حق کی مکمل تائید ہوگئی مگر پھر بھی غیر صحیح العقیدہ اور بعض صحیح العقیدہ مگر کمزور مسلمان اس بے بنیاد خبر پر اعتماد کر بیٹھے خود بھی پریشان ہوئے اور دوسروں کی بھی پریشانی کا ذریعہ بنے۔

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ پریشانی جس میں لوگ مبتلا رہے، اسی طرح ہماری عبادتوں کا جو مذاق اڑایا گیا اور ہم مسلمان بھی اپنی ناسمجھی کے باعث اس کے آلۂ کار بنے رہے اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ہم نے اخبار، واٹس ایپ، فیس بک'' وغیرہ کی خبروں کو بلا تحقیق پھیلایا اور اس پر اعتماد کر کے اسے صحیح سمجھا؛ جب کہ آیات قرآنیہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف طور پر ہمیں ہر سنی ہوئی بات کو پھیلانے اور عام کرنے سے منع کرتی اور روکتی ہے، اس کی تحقیق کی تعلیم دیتی ہے، چنانچہ جب مدینہ منورہ میں بعض لوگ بلا تحقیق افواہیں پھیلانے لگے جس سے معاشرہ میں بڑا نقصان ہونے لگا، بے اطمینانی اور بے چینی پھیلنے لگی تو اس وقت قرآن کریم نے بے تحقیق باتوں پر یقین کرنے اور اسے دوسروں تک پہونچانے کی ممانعت کی؛ جیسے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہ خبر پھیلا دی گئی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے، حضرت عمرؓ کو جیسے ہی علم ہوا فوراً مسجد نبوی تشریف لائے وہاں پہونچ کر دیکھا کہ کچھ صحابہ بھی بیٹھے یہی باتیں کر رہے ہیں؛ چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ ٹھہرو میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصدیق کر لیتا ہوں

جب حضرت عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خبر کی صحت کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بات غلط ہے میں نے طلاق نہیں دی ہے اس پر حضرت عمرؓ نے بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۶۶ ط: دار طیبہ للنشر والتوزیع، الریاض)۔

اسی طرح بعض مرتبہ مسلمانوں کا لشکر جب کفار و منافقین سے برسر پیکار ہوتا تو کبھی مدینہ میں یہ خبر اڑا دی جاتی کہ مسلمان کامیاب ہو چکے ہیں کمزور مسلمان اسے صحیح سمجھ کر خوش ہو جاتے بعد میں ظاہر ہوتا کہ خبر غلط تھی، اسی طرح کبھی اس کے برعکس یہ خبر اڑا دی جاتی کہ مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا ہے جس سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو جاتی بعد میں معلوم ہوتا کہ خبر بے بنیاد تھی۔

(تفسیر الطبری: ۷/ ۲۵۳، ط مرکز البحوث والدراسات العربیہ والاسلامیہ بدار ھجر، القاہرہ)

اس وقت آیت کریمہ: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ (النساء) نازل ہوئی۔

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی خبر پہونچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے اور (مسلمانو) اگر اللہ کا فضل، اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔

اسی طرح آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾ (الحجرات) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہونچا بیٹھو اور پھر اپنے کیئے پر پچھتاؤ)

مذکورہ بالا آیات میں دوٹوک لفظوں میں ہر خبر کو اس کی صحت کو جانچے پرکھے بغیر تسلیم کر لینے اور اس کو عام کرنے سے روکا گیا اور یہ تعلیم دی گئی کہ جن کے اندر ان خبروں کی صحت کو پرکھنے کی صلاحیت ہے ان کے سپرد کر دو وہ حضرات اس کے صدق و کذب کا اندازہ کر لیں گے اور اس کے انجام بد سے باخبر رہیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہر سنی ہوئی باثات کو بیان کرنے سے صاف طور پر منع فرمایا ہے اور ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے، حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع۔ (رواہ مسلم: باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع، الرقم ۷، وابوداؤد، الأدب الرقم ۴۹۹۲)

لہذا میں اپنے معزز قارئین سے یہ التماس کرتا ہوں کہ وہ آیات کریمہ اور حدیث مبارک کو سامنے رکھیں ''واٹس ایپ''، فیس بک''، اخبار وغیرہ میں چھپنے والی خبروں پر نہ خود بلا تحقیق عمل کریں، اور نہ ہی اسے دوسروں تک پہونچائیں؛ اس لئے کہ یہ عمل از روئے شرع درست نہیں؛ کیونکہ ہر خبر صحیح نہیں ہوتی، دوسری بات جو بہت اہم ہے کہ اگر خبر صحیح بھی ہے تو بعض مرتبہ دینی یا ملی کسی مصلحت سے اس کا پھیلانا اور عام کرنا مناسب نہیں ہوتا، اسی طرح بعض مرتبہ ایک خبر ایک شخص کو دینا صحیح ہوتا ہے، جب کہ وہی خبر دوسروں کو پہونچانا درست نہیں ہوتا اور ہوتا یہ ہے کہ ایسی صورت میں ''واٹس ایپ''، فیس بک'' سے جڑے ہوئے تمام لوگوں کو یہ خبر پہونچ جاتی ہے جس کا پہونچنا تمام لوگوں کے حق میں مفید نہیں تھا؛ لہذا کسی بھی خبر کو عام کرنے اور پھیلانے سے پہلے یہ ضرور تحقیق کرلیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا نہیں، اور خبر کے صحیح ہونے کی صورت میں علماء کرام سے یہ بھی مشورہ کرلیں کہ اس خبر کو عام کرنا صحیح ہے یا پھر کسی مصلحت کی پیش نظر صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت مطہرہ کا پابند بنائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہماری آخرت کو ہماری دنیا سے بہتر بنائے۔ آمین

(بہ شکریہ ماہنامہ تکبیر مسلسل، شمارہ اکتوبر ۱۵ء)

(بقیہ صفحہ: ۵۰ سے) سامنے رکھ کر اپنے علاقہ کے ہر عمل کو حجت و دلیل ماننے لگیں اور بقیہ ساری دنیا والوں کو اپنی پیروی کی دعوت دینے لگیں تو کیا یہ بات مانی جاسکتی ہے؟ نہیں! کیوں کہ فضیلت و برتری، منقبت و منزلت الگ چیز ہے اور حجت و دلیل ہونا اور چیز ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ملک شام کو ''الارض المقدسة'' اور ''الذی بارکنا حولہ'' وغیرہ الفاظ سے اور حدیث میں ''خیرۃ اللہ من ارضہ'' جیسے اونچے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور فتن و ملاحم سے بچنے کے لئے شام کو ٹھکانہ بنانے اور اس کو اختیار کرنے کا حکم ہے، اور ایک روایت میں شام کی طرف ہجرت کرنے والوں کو ''خیار الناس'' بتایا گیا۔ وغیرہ ملک شام کے اور بھی بے شمار فضائل و مناقب ہیں، سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ وہاں بیت المقدس ہے؛ تو کیا ان فضائل کو سامنے رکھ کر ملکِ شام کے ہر ہر عمل کو حجت مانا جائے گا؟ جو جواب ملکِ شام کے بارے میں ہوگا وہی جواب مکہ و مدینہ کے عمل کے بارے میں ہوگا۔

عرض آخر کے طور پر دوبارہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئیے کہ اس تحریر و مضمون کا مقصد ہرگز بھی مکہ و مدینہ کی تنقیص یا بے احترامی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بتانا مقصد ہے کہ اب جو کچھ وہاں ہو رہا ہے وہ سارا کا سارا غلط ہے، بس صرف یہ بتانا ہے کہ حجت و دلیل صرف اور صرف اہل مکہ یا اہل مدینہ کے عمل میں یا سعودی عرب کے عمل میں ہی منحصر نہیں ہے بقیہ جگہوں پر بھی حق و سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو فہمِ سلیم اور صراطِ مستقیم عطا فرمائے۔ آمین

اصلاحِ معاشرہ

نشہ خوری ایک خطرناک بیماری ہے

مولانا اسرار الحق قاسمی*

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، صحیح راستے کی جانب اس کی رہنمائی کی اور ہدایت بخشی ہے، اسے اچھا رزق دیا اور بہت ساری نعمتوں سے نوازا اور طاعت وفرماں برداری اور عبادت کے ذریعے اسے اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''جو کچھ اللہ نے تمھیں حلال اور پاک رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہو''۔ (النحل:114) لہٰذا ایک مسلمان کا وطیرہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر چیز کی پہلے تحقیق کرے، پھر اسے استعمال کرے، چاہے وہ کھانے کی چیز ہو، پینے کی چیز ہو، پہننے کی چیز ہو یا زندگی گزارنے کا کوئی مخصوص طریقہ ہو۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز یہی تھا، جیسا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: ''وہ (نبی) ان (مسلمانوں) کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک (یا نقصان دہ) چیزوں کو حرام کرتے ہیں'' (الاعراف:157)

اہلِ علم کی تشریح کے مطابق ''طیب'' ہر وہ چیز ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے، ایسی چیز پاکیزہ ہے اور جسمانی وشرعی دونوں اعتبار سے نافع ہے اور جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، وہ بری ہے اور جسمانی وشرعی ہر اعتبار سے ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:3، ص:488) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! زمین سے نکلنے والی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے نقوشِ قدم کے پیچھے مت بھاگو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے''۔ (البقرہ:168) اس آیت میں اللہ نے انسان کو زمین سے نکلنے والی پاکیزہ اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے یعنی ایسی چیزیں جو فی نفسہ بھی اچھی ہوں اور انسانی جسم وعقل کے لیے بھی نقصان دہ نہ ہوں اور اس سلسلے میں شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے منع کیا ہے۔

دراصل شیطان ہمیشہ تاک میں رہتا ہے کہ وہ انسان کو راہِ خدا سے بھٹکا دے، اسے حلال ماکولات و مشروبات سے دور کرکے نشہ آور اشیا کے استعمال میں مبتلا کردے اور اس کی عقل ـــــ جس کے ذریعے اللہ نے انسان کو تمام مخلوقات میں امتیاز بخشا ہے ـــــ پر پردہ ڈال دے، اسی وجہ سے ہماری شریعتِ مطہرہ نے ہر اُس (کھانے پینے کی) چیز کو جو انسان کی عقل کے لیے نقصان دہ یا اسے ناکارہ کرنے والی ہو حرام

*صدر آل انڈیا ملی کونسل فاؤنڈیشن

قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نشہ آور اور عقل میں فتور پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے روکا ہے''۔ (ابوداؤد: 3638) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشہ آور اشیا کی حرمت کو تاکیدی طور پر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو، تو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے''۔ (ابوداؤد: 3681)

میرے بھائیو! عقل کی نعمت انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے، اسی کے ذریعے وہ خیر و شر کے مابین تمیز کرتے ہیں، اسی کے استعمال سے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی انجام پاتی ہے، ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ عقل ہی انسان کے مکلف ہونے کا سبب اور اس کے صاحبِ شرف ہونے کی وجہ ہے، اسی کے استعمال کے ذریعے انسان اپنے رب کی عبادت اور اس سے سرگوشی و مناجات کرتا اور لوگوں کے درمیان ایک اچھی زندگی گزارتا ہے، حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: ''انسان کی حقیقت اس کی عقل سے پتہ لگتی ہے، اس کا حسب و نسب اس کے مذہب سے اور اس کی شرافت و مروت اس کے اخلاق سے معلوم ہوتی ہے''۔ (ادب الدنیا والدین للماوردی، ج:1، ص:3) یہی وجہ ہے کہ جو شخص نشہ آور اور عقل و شعور کے لیے نقصان دہ چیزیں استعمال کر کے اپنی جان اور عقل کو نقصان میں ڈالتا ہے، اسے اللہ نے سزا کے طور پر جہنمیوں کا پسینہ پلانے کی دھمکی دی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر رکھا ہے کہ جو شخص نشہ آور مشروب پیے گا، اسے ''طینۃ الخبال'' پلایا جائے گا'' صحابہؓ نے پوچھا کہ ''طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جہنمیوں کے بدن سے نچڑا ہوا پسینہ''۔ (مسلم: 2002) جس شخص کی عقل ختم ہو جائے، اس کی حکمت و بصیرت بھی جاتی رہتی ہے، ایسا شخص جسمانی اعتبار سے بھی کمزور و لاغر ہو جاتا ہے اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی کے دہانے پر لا ڈالتا ہے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری جانیں دراصل اللہ کی ملکیت و امانت ہیں، کسی بھی انسان کو اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں''۔ (الانعام: 162) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے یا کسی دوسرے کے اوپر ظلم و زیادتی کرنے سے سختی سے روکا ہے، فرماتا ہے: ''اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے اور جو شخص ایسا کرتا ہے ظلم و زیادتی کرتے ہوئے، تو ہم عنقریب اسے جہنم میں ڈالیں گے'' (النساء: 30-29) یعنی اگر کوئی شخص منع کرنے کے باوجود حد سے تجاوز کرتے ہوئے، ظلم کرتے ہوئے، اس کی حرمت کو جانتے ہوئے، حکم الٰہی کی نافرمانی کی جرأت کر کے ایسا کام کرتا ہے، تو ہم اسے جہنم رسید کریں گے (تفسیر ابن کثیر، ج:2، ص:270) اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس شخص نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کیا، تو قیامت کے دن وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم میں ہمیشہ

ہمیش اسے کھاتا رہے گا''۔(متفق علیہ)

نشہ آور اشیا کے استعمال کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جو شخص ایسی چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے، وہ اللہ کی جانب سے عطا کردہ نعمتِ مال کو ضائع کرتا رہتا ہے، جبکہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کو تین باتیں ناپسند ہیں: بے جا گفتگو، مال کو ضائع کرنا اور بہت زیادہ سوال کرنا'' (متفق علیہ) اسی طرح جنھیں نشے کی لت لگ جائے، وہ اپنے اہل وعیال کے تئیں عائد ہونے والی ذمے داریوں کی ادائیگی میں بھی کوتاہی برتتے ہیں، ان کے خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ اور ایک عظیم المیہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ: ''انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع کردے''۔(ابوداؤد:1692، الحمیدی:624) یعنی ان کے حقوق کو ادا نہ کرے۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر نگراں اور ذمے دار سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرے گا، جس کا اسے نگراں بنایا گیا تھا کہ اس نے اس کی حفاظت کی یا ضائع کردیا، یہاں تک کہ انسان سے اس کے اہلِ خانہ کے تعلق سے بھی پوچھ گچھ ہوگی''۔(نسائی:9174، ابن حبان:4492)

لہذا اس طرح کی بری اور ہلاکت ناک چیزوں سے بچنے اور بچانے کی ذمے داری معاشرے کے تمام لوگوں پر عائد ہوتی ہے، ہر شخص اس ہول ناک اور لاعلاج بیماری کو معاشرے میں پھیلنے سے روکنے میں مثبت رول ادا کرنے کا ذمے دار ہے، باپوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی رکھیں اور ان کی صحیح رہنمائی کریں کہ وہ برے اور گمراہ دوستوں کی صحبت میں نہ پڑیں، کیوں کہ دوستی میں کشش ہوتی ہے (یعنی ایک دوست کی اچھی یا بری عادتیں دوسرے دوست میں بھی حلول کر جاتی ہیں) اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے دوست کے مذہب کا پیرو ہوتا ہے؛ لہذا ہم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کے زیرِ نگرانی رہنے والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح اساتذہ و معلمین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلبا کو اس حوالے سے صحیح تعلیم دیں، بہتر رہنمائی کریں اور مذکورہ بالا قسم کی برائیوں اور خطرناکیوں سے اپنے طالب علموں کو بچانے میں اپنا اہم کردار ادا کریں۔ اگر ہم نے اس سلسلے میں کوتاہی برتی اور ہمارے بچے نشہ خوری کے عادی ہوتے گئے تو آئندہ چل کر نہ صرف وہ اپنی زندگی تباہ و برباد کریں گے، بلکہ سارے گھر خاندان کی زندگیوں کو اجیرن کر کے رکھ دیں گے۔ ملی اور قومی سطح پر ایسے لوگ ناسور ہیں، جو ہماری اجتماعی مذہبی روح کو مجروح کرتے اور ملت کے زوال وپستی کا سبب بنتے ہیں، اس لیے معاشرے کے ذی ہوش اور باشعور افراد، علما اور اہلِ دانش سب مل کر اس سلسلے میں سنجیدہ رویہ اختیار کریں، اپنے بچوں کو نشہ خوری سے بچائیں اور اسلامی تعلیمات وہدایات کے مطابق ان کی تربیت کریں۔

اقوالِ زریں

کچھ کام کی اور تجربے کی باتیں

عربی محاوروں کی روشنی میں

از: مدیر

۱) بہترین کام وہ ہے جو میانہ روی کے ساتھ کیا جائے۔

۲) جو اپنے باطن کو صحیح رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو درست فرما دیتے ہیں۔

۳) کسی چیز کا نقصان اور خسارہ آدمی کو کمانے کا تجربہ دیتا ہے۔

۴) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سخت بیمار تو صحت یاب ہو جاتا ہے اور اس کا صحت مند تیماردار موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۵) جو خود محروم و محتاج ہے وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے۔

۶) بڑے حوصلے والوں کے دو دل ہوتے ہیں ایک دل لوگوں کا غم کھاتا ہے اور دوسرا ان کے بھلے کی تدبیریں سوچتا ہے۔

۷) استخارہ کا اہتمام کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا۔

۸) آج کے کام کو کل پر نہیں ٹالنا چاہئے (کیوں کہ کل کا کام پھر کب کرے گا؟)۔

۹) اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

۱۰) کسی کو ملامت کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے ہوسکتا ہے وہ اس کام کے کرنے میں معذور ہو۔

۱۱) جس کام میں شک ہو اسے چھوڑ کر اطمینان بخش کام کو اختیار کر لینا چاہئے۔

۱۲) حق تعالیٰ کے لئے عاجزی اختیار کرنے والوں کو حق تعالیٰ سربلند فرماتے ہیں۔

۱۳) دلوں میں کدورت چھپا کر رکھنے سے بہتر خفگی و ناراضگی کا اظہار کر دینا ہے۔

۱۴) سب سے بڑا مالدار وہ ہے جو سب سے زیادہ قناعت پسند ہے۔

۱۵) اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ (کسی نہ کسی شکل میں وہ ضرور عطا کرتا ہے)

۱۶) باقی رہنے والا تھوڑا ختم ہوجانے والے بہت سے بہتر ہوتا ہے۔

۱۷) احتیاط و پرہیز پر صرف ہونے والا درہم علاج پر صرف ہونے والے خزانے سے بہتر ہے۔

۱۸) ملنساری اور خوش مزاجی اچھے دوستوں کو پیدا کرتی ہے۔

۱۹) کسی بھی معاملے کو غور و فکر کے بغیر قطعیت نہیں دینا چاہئے۔

۲۰) عقل مند آدمی کی عقل اس کا آئینہ ہے جو اس کی بھلائی اور برائی سب دکھا دیتا ہے۔

۲۱) آدمی کے افکار تو بس اسی کے کام آتے ہیں البتہ اس کے اقوال دوسروں کے بھی کام آتے ہیں۔

۲۲) چوکیدار کی نیند چور کا چراغ ہے۔

۲۳) مال چلا جائے تو پھر سے کمالیا جاسکتا ہے مگر بھائی بچھڑ جائے تو اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

۲۴) مشورہ ندامت سے بچاتا اور ملامت سے محفوظ رکھتا ہے۔

۲۵) شکر سے نعمتوں کو دوام حاصل ہوتا ہے۔

۲۶) حسن اخلاق سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔(مفہوم حدیث)

۲۷) اچھی طرح اطمینان کے بغیر کسی بات کے حق ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

۲۸) جو دوسروں کی باتیں آپ تک پہنچاتا ہے وہ آپ کی بات دوسروں تک پہنچائے گا۔

۲۹) برا چاہنے والے کے لئے بھی اچھا چاہنا انسانیت کا کمال ہے۔

۳۰) سفید سکے سیاہ دنوں میں کارآمد ہوتے ہیں (یعنی محفوظ رکھا گیا مال آڑے وقتوں کی مشکل دور کردیتا ہے)۔

اپیل

ادارے کے زیر اہتمام دیہی علاقوں میں دینی محنتوں کے لئے قائم سنٹر ''ادارہ امدادالعلوم'' کی مسجد الحمدللہ مکمل تعمیر ہوچکی ہے؛ اب اس میں کھڑکیوں میں گلاسس، جانمازوں اور برقی پنکھوں کی ضرورت رہ گئی ہے۔جس کا تخمینہ تین لاکھ روپیوں سے زائد ہے؛ اہل خیر حضرات سے اس جانب توجہ کی گذارش ہے۔۔۔والسلام

محمد عبدالقوی غفرلہٗ

راہِ سنت

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علمائے دیوبند

جناب عبدالرؤوف انجینئر *

دارالعلوم سے بہت سی ایسی شخصیات فیض یاب ہوکر نکلیں کہ جن کے تقویٰ، خلوص عمل اور علمی کارنامے سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے مکتوب ''اکابر علماء دیوبند'' میں اکابر دیوبند کا اہتمام سنت کے بہت سے واقعات تحریر فرمائے ہیں؛ ذیل میں چند چنیدہ واقعات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں جس سے ان کا محبِ رسول و عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اصل نام ''خورشید حسن'' تھا آپ ۱۲۴۸ھ میں ضلع سہارنپور کے قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے، دہلی میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا شاہ عبدالغنیؒ سے علومِ حدیث کی تکمیل کی، بعدازاں آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت کی اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرتے ہوئے خلعت وخلافت حاصل کی، آپؒ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں اپنے رفقائے کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ سے مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی حصہ لیا، انجام کار آپؒ کے کئی ساتھی شہید ہوئے اور کئی گرفتار ہوگئے، جنگِ آزادی کی شکست کے بعد آپ نے احیائے دین کا کام دوسرے انداز میں شروع کیا اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، جہاں سے بے شمار تشنگانِ علم نے فیض پایا، اس دارالعلوم کے فضلا میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا ادریس کاندھلویؒ وغیرہ جیسی ہزاروں مشاہیر شخصیات نکلیں جنھوں نے ایک عالم کو اپنے فیض سے منور کیا؛ بالآخر علم وعمل کا یہ آفتاب ۴/ جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ میں بروز جمعرات ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، آپ اپنے دور کے ایک عظیم محدث اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

* نگراں مدرسہ تجوید القرآن نلگنڈہ

اتباعِ سنت

۱۸۵۷ء میں جب گورنمنٹ کی طرف سے گرفتاریاں ہوئیں تو آپ صرف تین دن روپوش رہے، اس کے بعد لوگوں کے اصرار کے باوجود انکار فرمادیا کہ تین دن سے زیادہ روپوش رہنا خلافِ سنت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی غارِ ثور میں تین دن ہی مقیم رہے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ انگریز سپاہیوں سے مسجد ہی میں ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آپ ہی سے پوچھا مولانا قاسم نانوتوی صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اسی جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ابھی تو یہیں تھے، اللہ تعالیٰ کو آپ سے دین کا بڑا کام لینا تھا اس لیئے ہاتھ نہ آئے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں؛ لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی ہدیہ میں لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب کرتے صرف اس لیئے کہ سرورِ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد کا رنگ سبز ہے؛ پھر ایسے رنگ کے جوتے پاؤں میں کیونکر استعمال کیئے جاسکتے ہیں، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت نانوتویؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبر مبارک سبز رنگ کی ہے اور اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو آگے کسی دوسرے کو دے دیا''۔

حضرت نانوتویؒ جب حج کے لیئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے ننگے پاؤں چلنا شروع کر دیا، آپ کے ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ جوتا پہن کر چلیں؛ حالانکہ وہاں سخت نوکیلے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار تھی؛ چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ، جناب حکیم منصور علی خانؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو اس سفر میں حضرت نانوتویؒ کے رفیقِ سفر تھے کہ ''مولانا مرحومؒ مدینہ منورہ تک کئی میل پہلے سے شب تاریک میں اسی طرح چل کر برہنہ پاؤں پہنچ گئے'' (ماخوذ: خطبات ذوالفقار: ۱۷۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ولادت سعادت ضلع سہارنپور کے قصبہ گنگوہ میں ہوئی، والد ماجد کا نام ہدایت احمد تھا اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جاملتا ہے، آپ نے ابتدائی تعلیم اور عربی وفارسی کی تعلیم گنگوہ میں ہی حاصل کی ۱۲۶۱ھ میں دہلی کا سفر کیا اور مولانا مملوک علیؒ کی خدمت میں پہنچے؛ یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ پہلے ہی پہنچ چکے تھے؛ یوں علم وفضل کے یہ دونوں شمس وقمر اکٹھے ہو گئے اور تاحیات

ایک ساتھ رہے، حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کو ان دونوں سے خاص محبت تھی، علم حدیث آپ نے خاندان ولی الٰہی کے آخری تسلیم و چراغ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ سے حاصل کیا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے، صرف آٹھویں دن ہی حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو خلافت و اجازتِ بیعت دے کر رخصت کیا۔

اتباعِ سنت

حضرت گنگوہیؒ کی اتباع سنت ضرب المثل ہے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں، لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب حضرت مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے پر رکھا؛ پھر سیدھا پاؤں نکالا تو جوتے میں ڈال دیا، اس کے بعد بائیں پاؤں میں جوتا پہنا۔

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، اَبر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں، جس قدر طالب علم شریکِ درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لیئے کتابیں اُٹھا کر بھاگے اور دری میں پناہ لی؛ پھر کتابیں رکھ کر جوتے اُٹھانے چلے، صحن کی طرف رُخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں، طلبا نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا: جو لوگ قَالَ اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اُٹھائے تو اور کیا کرے۔ (خطباتِ ذوالفقار: ۱۸۵)

حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس سرہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب ایک جید عالم تھے، آپ کا شجرۂ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے جا کر ملتا ہے ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا، آپ اس مدرسے کے پہلے طالب علم بنے ۱۲۸۶ھ میں آپ کتب صحاحِ ستہ کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے، آپ کو دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا، رفتہ رفتہ آپ مسلم شریف، بخاری شریف کی تدریس تک جا پہنچے، آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ وغیرہ جیسے مشاہر علم و فضل شامل ہیں۔

انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی آگے تک بڑھایا، آپ عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے، اس ضمن میں آپ نے تحریک ریشمی رومال

شروع کی جس کا مرکز آپ نے کابل کو بنایا؛ اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی؛ تاہم اس نے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونک دی، ۱۳۳۵ھ میں انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچادیا۔

اتباعِ سنت

حضرت شیخ الہند زکریاؒ نے اپنی کتاب ''اکابر علماء دیوبند'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کا معمول تھا کہ وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے، کسی شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے، حضرتؒ نے فرمایا: ہاں بھائی! یہ تو مجھے بھی معلوم ہے؛ مگر بیٹھ کر پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

حیات شیخ الہندؒ، صفحہ نمبر: ۱۶۱ / میں لکھا ہے کہ کوئی قول وفعل خلافِ شریعت ہونا تو درکنار مدتوں خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنیٰ سا فعل بھی آپ خلافِ سنت سرزرد ہوا، دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضرت کو اتباعِ سنت کا خیال تھا، خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین، متوسلین کو بھی قولاً وعملاً اسی کی ترغیب دیتے اور رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ حضرت کے لیے ایک امر طبعی ہوگیا تھا جس میں کسی تکلف وتحریک کی ضرورت بھی نہ تھی، نہایت سہولت ومتانت سے سنن ومستحبات کو ملحوظ رکھتے تھے۔

حدیث پاک میں سرکہ کے متعلق آیا ہے کہ بہترین سالن ہے، حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں جب بھی دسترخوان پر سرکہ ہوتا تو سب چیزوں سے زیادہ اس کی طرف رغبت فرماتے اور کبھی گھونٹ بھی بھر لیتے، ایک مرتبہ بدن پر پھنسیاں وغیرہ نکل آئیں اطبا نے سرکہ کو منع کر دیا؛ پھر بھی حضرت سرکہ نوش فرما ہی لیتے، حضرتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادی اپنے اُستاذ حضرت نانوتویؒ کے طرز پر ایسی ہی سادگی اور اتباعِ سنت سے کی جو حضرت جیسے محدثِ اعظم اور عاشقِ سنت کے شایانِ شان تھی، کبھی جامع مسجد میں نماز کے اعلان کر کے داماد کو بٹھا کر نکاح پڑھا دیا، کبھی مدرسے میں علما اور طلبا کے مجمع میں بطریق مسنون عقد کر دیا اور معمولی کپڑے پہنا کر معمولی ڈولی میں بٹھا کر رُخصت کر دیا۔ (حیاتِ شیخ الہندؒ: ۲۰۵)

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ / شوال ۱۲۹۶ھ ہے، آپ کا آبائی وطن موضع ''اللہ داؤد پور'' قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد ہے، آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی کے خلیفہ

خاص تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک اپنے والد ماجد سے پڑھا، ۱۳/ سال کی عمر میں آپ دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی زیر نگرانی تعلیم پاتے رہے، آپ کے آثار سعادت، جذبۂ خدمت، قابلیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ پر خصوصی توجہ دی؛ لہٰذا درسِ نظامی کی ۶۷/ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کرڈالیں، آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہوگئے۔

اسلام کی خاطر سیاسی میدان میں بھی آپ نے بے انتہا خدمات سرانجام دیں، ہندوستان کی آزادی کے لیئے آپ تمام عمر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے اور کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور بالآخر انگریزوں کو ملک آزاد کرنا پڑا، تحریک آزادی میں اگرچہ آپ کے اور بعض علماء کے موقف میں اختلاف رہا اور آپ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے حقوق دلوانا چاہتے تھے؛ بہرحال آپ اپنے اجتہاد میں مخلص تھے، آپ ساری زندگی ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور بالآخر علمائے دیوبند کی عظیم نشانی ۱۳/ جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نمازِ عصر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اتباعِ سنت

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے اتباعِ سنت کے واقعات اس قدر مشہور اور زبان زد ہیں کہ ان سب کا لکھنا تو بہت مشکل ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ شب میں رات کو گڑگڑاتے ہوئے رونے والا دو کو دیکھا، ایک اپنے والد صاحبؒ کو اور دوسرے حضرت شیخ الاسلامؒ کو؛ ایسی ہچکیاں اور سسکیاں لیتے تھے جیسے کوئی بچہ پٹ رہا ہو، قاری محمد میاں صاحبؒ مدرس فتحپوری دہلی لکھتے ہیں کہ: ''تہجد میں اوّل دو رکعتیں مختصر پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعتیں طویل جن میں ڈیڑھ دو پارے قرأت فرماتے، تہجد کی قرأت قدرے جہر سے ادا فرماتے، پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرأت سن سکے، قرأت کرتے وقت اس قدر خشوع، اتنا گریہ، سینہ مبارک سے لیتے ہوئے سانس، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت احادیث میں ذکر کی گئی ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ایسی پڑھا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرون سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز کی طرح سے آواز آتی تھی) وہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر پہلے دُعا مانگتے پھر مصلے پر استغفار کرنے کے لیئے بیٹھ جاتے، تسبیح ہاتھ میں ہوتی، جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے، اُگالدان قریب رکھ لیا کرتے، اس وقت رونے کا

جومنظر بارہا دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی اور وقت نہیں آیا، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل جاری رہتی رومال سے صاف کرتے جاتے اور أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ إِلَیْهِ جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے، کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے، بعض اوقات اسی کرب و بے چینی کے عالم میں فارسی یا اُردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے، فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا'' (الجمیعۃ شیخ الاسلام نمبر: ۸۰)

مفتی مہدی حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''عبادت خداوندی کا یہ ذوق کہ شدید مرض کی حالت میں بھی نمازِ فجر میں طوالِ مفصل ہی پڑھا کرتے تھے، سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن اُمور کا ادنیٰ تعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو ان پر عمل کرتے تھے، دنیا کی حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگایا، لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ؟ نہ اس میں پھول نہ پھل، نہ اس سے خوشنمائی، نہ یہ زینتِ چمن؛ پھر کیوں لگوایا؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے، یہ درخت اس کی یادگار ہے۔

(اکابر علماء دیوبند۔ الجمیعۃ شیخ الاسلام نمبر: ۵۲)

یہ حضرات سنت کے شوق میں ثواب کی کمی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے؛ الغرض اکابر دیوبند کے بے شمار واقعات اتباعِ سنت کے ہیں، سبق حاصل کرنے کے لیئے ایک بات بھی کافی ہے۔

ہمارے حضرت مولانا محمد عبدالرؤوف صاحب دامت برکاتہم (نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی) جو کئی دھوں سے حضرت محی السنہؒ کی خدمت میں رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت محی السنہ قدس سرہ بھی اکابر دیوبند میں سے ہیں، حضرتؒ نے اپنی پوری زندگی سنت کی ترویج واشاعت میں گذاردی، خصوصاً حضرت والا نے قرآن مجید، نماز، اذان، نکاح اور سلام وغیرہ سنت کے مطابق کرنے پر خوب زور دیا، خود بھی کرکے دکھلایا اور زندگی بھر سب کو متوجہ کرتے رہے؛ چنانچہ عوام وخواص کی طرف سے حضرت والاؒ کو محی السنہ کا لقب دیا گیا، محی السنہ یعنی سنتوں کو زندہ کرنے والا۔

بزرگوں کے واقعات وحالات کو سنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسے اعمال کرنے کی کوشش کریں اور یہ جب ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ جب ہم کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرلیں، ان کی صحبت میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی صحبت کی برکت سے ہمیں بھی نیک اعمال پختگی کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

پند و نصیحت

طلبہ و اساتذہ کے باہمی حقوق

از مولانا عباداللہ ندوی
پیش کش: حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب ہردوئی*

عزیز طلبہ کرام! آپ سب بہت خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ سب کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے منتخب فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم و تدریس نہایت ہی مقدس اور معزز مشغلہ ہے ہر مذہب اور ہر سماج میں اساتذہ کرام کو بڑا احترام حاصل رہا ہے کیوں کہ سماج میں کچھ بھلائیاں اور نیکیاں اور خدمتِ خلق کا جو سروسامان موجود ہے وہ سب دراصل تعلیم کا ہی کرشمہ ہے اور درسگاہیں ان کا اصل سرچشمہ ہیں، اسلام کی نگاہ میں انسانیت کا سب سے مقدس طبقہ پیغمبروں کا ہے، پیغمبر کی حیثیت اپنے امتی کی نسبت سے کیا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہی کہ نبی انسانیت کا مربی اور معلم ہوتا ہے اور وہ تعلیم بھی دیتا ہے اور انسانیت کو اس علم کے سانچے میں ڈھالنے کی بھی کوشش کرتا ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (ال عمران: ۱۶۴)

اسی لئے اساتذہ کرام کا احترام اسی قدر ضروری ہے جتنا اپنے والدین کا؛ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فقہاء صحابہؓ میں سے ہیں حدیث کی نقل و روایت اور فہم درایت میں بھی بڑے اعلیٰ درجہ کے مالک ہیں اور تفسیر و فہم قرآن کا کیا پوچھنا؟ کہ امت میں سب سے بڑے مفسر مانے گئے ہیں لیکن اس مقام و مرتبہ کے باوجود حال یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی سواری کی نکیل تھام لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمیں اہل علم کے ساتھ اسی سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۴۲۳) خلف احمر مشہور امام لغت گذرے ہیں، امام احمدؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں، لیکن علوم اسلامی میں مہارت اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے امام صاحبؒ کو اپنے استاذ سے بھی زیادہ عزت ملی، اس کے باوجود امام احمدؒ کبھی ان کے برابر بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے اور کہتے کہ آپ کے سامنے بیٹھوں گا کیوں کہ ہمیں اپنے اساتذہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے (تذکرۃ السامع والمتکلم: ۸۷)

امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کے سامنے ورق پلٹا تو

*نائب ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

بہت نرمی سے کہ کہیں اُنھیں بارِ خاطر نہ ہو (حوالہ سابق: ۸۸) قرآن مجید نے حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے باوجود یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقامِ نبوت پر فائز ہیں لیکن انھوں نے نہایت صبر وتحمل کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی باتوں کو برداشت کیا اور بار بار معذرت خواہی فرمائی۔ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے استاذ حضرت حمادؒ کے مکان کی طرف پاؤں کرنے میں بھی تکلف ہوتا تھا؛ قاضی ابو یوسفؒ کو اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ سے ایسا تعلق تھا کہ جس روز بیٹے کا انتقال ہوا اس روز بھی اپنے استاذ کی مجلس سے غیر حاضری گوارا نہیں فرمائی۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اب اساتذہ اور طلبہ کے درمیان محبت واحترام کا یہ جذبہ مفقود ہے، طلبہ اپنے اساتذہ کو ایسی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ ان کے حریف اور فریق ہیں، نقل وحرکت اور نشست وبرخاست میں ادب واحترام تو بہت دور کی چیز ہے ان کو بُرا بھلا کہنے میں بھی کوئی حجاب نہیں، ظاہر ہے اس بے احترامی اور بے اکرامی کے ساتھ کیوں کر کسی شخص سے فیضیاب ہوا جاسکتا ہے۔

معلم کے اوصاف

جو شخص جتنے بلند مقام ومرتبہ کا حامل ہو اسی نسبت سے اس کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں، استاذ باپ کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ استاذ بھی اپنے شاگردوں کو وہی محبت اور پیار دے جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے، منقول ہے کہ امام شافعیؒ اس حال میں کوفہ پہونچے کہ نہایت ہی معمولی کپڑا آپ کے جسم پر تھا امام محمدؒ نے اس وقت ایک قیمتی جوڑے کا انتظام فرمایا جو ایک ہزار درہم کا تھا، پھر جب امام شافعیؒ کو رخصت کیا تو اپنی پوری نقدی جمع کر کے تین ہزار درہم ان کے حوالہ کر کے رخصت کیا۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ: ۲۶۸)

امام ابو یوسفؒ کے والد دھوبی کا کام کرتے تھے اور بڑی عسرت کے ساتھ گذر اوقات ہوتی تھی، بلکہ اس افلاس ومجبوری کی وجہ سے ان کے والدین کو امام ابو یوسفؒ کا پڑھنا پسند نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ آپ کسبِ معاش میں مصروف ہوں اور گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹائیں، امام ابوحنیفہؒ ان کی ذہانت اور طلب علم کے شوق سے بہت متاثر تھے اس لئے آپ نے بنفس نفیس ان کے اخراجات برداشت کئے۔

آج کل صورتِ حال یہ ہے کہ تدریس محض ملازمت بن کر رہ گئی ہے کہ آدمی تکمیلِ ضروریات کے لئے کچھ تنخواہ لے لے اور بے غرضی کے ساتھ اپنے شاگردوں کو پڑھائے؛ بلکہ تدریس ایک ایسی تجارت بن گئی ہے کہ جس کے لئے سرمایہ اور دوکان کی ضرورت نہیں، اساتذہ اسکولوں، کالجوں میں قصداً غیر معیاری اسباق دیتے ہیں اور اسباق کو تشنہ رکھتے ہیں، تاکہ طلبہ ان سے ٹیوشن پڑھیں اور کم وقت میں زیادہ قیمت ادا کرنے پر آمادہ

ہوں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دانش گاہوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لئے بھی شایانِ شان نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے۔

یہ ایسی شرمناک بات ہے کہ شریف النفس لوگوں کے لئے اس کا تذکرہ بھی گراں خاطر ہے ایک ایسا مقدس رشتہ جو مکمل طور پر بے غرضی پر ہی ہے جو ایک دوسرے سے بے لوث محبت اور بے پناہ شفقت کا متقاضی ہے اور جو تعلیم گاہیں انسانیت، محبت اور فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کے لئے ہیں، وہیں سے ایسی بداخلاقی اور حرص وطمع کا نمونہ ملے تو پھر کون سی جگہ ہوگی جہاں سے انسان کو انسانیت کا سبق ملے سکے گا؟

حماد بن سلمہؒ ایک مشہور محدث گذرے ہیں ان کے ایک شاگرد نے چین کا تجارتی سفر کیا اور کچھ قیمتی تحائف اپنے استاذ کی خدمت میں پیش کئے، استاذ نے فرمایا کہ اگر یہ تحفے قبول کروں گا تو آئندہ پڑھاؤں گا نہیں اور پڑھاؤں گا تو یہ تحفے قبول نہیں کرسکتا۔ (الکفایۃ للخطیب: ۱۵۳)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ صرف تیس روپئے ماہانہ پر خدمت فرماتے تھے اس درمیان بعض رئیسوں کی طرف سے تین سو اور پانچ سو روپہ ماہانہ پر کام کرنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے معذرت کردی اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں ان ہی پیسوں کا حساب دینا مشکل ہے، اگر اور زیادہ پیسے لئے جائیں تو ان کا حساب تو اور بھی دشوار ہوگا۔ ابن جماعہؒ نے خوب لکھا ہے کہ استاذ کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے جو پسند کرتا ہے وہی اپنے شاگردوں کے لئے پسند کرے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرے وہی اپنے شاگردوں کے لئے بھی ناپسند کرے (تذکرۃ السامع: ۲۹)

استاذ کو اپنے شاگرد سے بے پناہ محبت ہونی چاہئیے اور اُسے ہر وقت اس کا خیر خواہ ہونا چاہئیے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کی ترقی پر خوش ہوتا ہے اور اس کی ناکامی پر کبیدہ خاطر یہی تعلق ایک استاذ کو اپنے شاگرد کے ساتھ ہونا چاہئیے، یہ تعلق بے غرض اور بے لوث ہو اور پاکیزگی پر مبنی ہو، اگر اساتذہ اپنے تلامذہ کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ طلبہ میں ان کے تئیں وہی احترام نہ پیدا ہو۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ تدریس کے لئے کسی شخص کا انتخاب اہلیت اور لیاقت کی بنا پر ہونا چاہئیے نہ کہ تعلقات اور دوسری بنیادوں پر، اس لئے کہ تدریس نہایت ہی اہم اور نازک کام ہے، اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ جس مضمون کی تدریس اس کے حوالہ کی جارہی ہے وہ واقعی اس مضمون پر عبور رکھتا ہو اور اپنے اخلاق وعادات کے اعتبار سے بھی اُنگشت نمائی سے محفوظ ہو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مضمون پر مناسب محنت کرتا ہو اور اس کے مطالعہ وتحقیق میں ارتقاء اور تسلسل ہو کہ اس کے بغیر وہ اپنے طلبہ کو کما حقہ فیض یاب نہیں کرسکتا، وہ اوقاتِ درس کا پابند ہو اور اپنے وقت کو طلبہ کی امانت تصور کرتا ہو، قرآن مجید میں کم ناپنے تولنے کی بڑی مذمت آئی ہے

اور اہل علم نے لکھا ہے کہ ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ ملازمت کے اوقات میں سے کوئی حصہ اپنی ضرورت میں اور مفوضہ کام کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کرے، اور ان اوقات کی اجرت اس کے لئے حلال نہیں، اساتذہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طلبہ کی نفسیات کا شعور رکھتے ہوں اور عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، طالب علم کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کرنا اور اس کی تذلیل کے درپے ہونا نہایت اُوچھی بات ہے اور کسی طرح استاذ کے شایانِ شان نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ اگر کسی کی غلطی پر ٹوکنا ہوتا تو تنہائی میں توجہ دلاتے اور اگر متعدد افراد کو اس غلطی میں مبتلا پاتے تو کسی کا نام لئے بغیر مبہم انداز میں توجہ دلاتے چونکہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ انتقام، ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نو آموز رفقاء نے مسجد میں پیشاب کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہا دیا اور کسی ناگواری کا اظہار کئے بغیر محبت کے ساتھ سمجھانے پر اکتفا فرمایا۔

بعض طلبہ بظاہر تیز مزاج ہوتے ہیں، لیکن تنہائی میں بلا کر ان کی تفہیم کی جائے اور ان کی ذہانت کو تخریبی کاموں کے بجائے تعمیری کاموں کی طرف موڑ دیا جائے بآسانی ان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ قوم کے لئے ایک مخلص عنصر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اساتذہ کے لئے علمی لیاقت کے ساتھ اخلاقی اقدار بھی نہایت ضروری وصف ہے، استاذ کو اتنا باوقار ہونا چاہیئے کہ اس کی ایک نگاہ درشت سے طلبہ سہم جائیں، اگر اساتذہ خود اخلاقی پستی میں مبتلا ہوں، طلبہ سے سطحی گفتگو کرتے ہوں ان کے سامنے فحش ہنسی مذاق کیا کرتے ہوں، ان کے کردار کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہوں اور ان کی زبان سے وقتاً فوقتاً سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہو، تو بجا طور پر ان کو اپنا بے تکلف دوست سمجھتے ہیں اور استاذ کا درجہ نہیں دیتے، کیوں کہ یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان خود کتنا بھی بڑا ہو وہ اپنے اپنے بزرگوں کو اس سے ماوراء دیکھنا چاہتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سماج اور قوم کی تعمیر میں اساتذہ کرام کا بڑا رول ہے۔۔۔ وہ نہ صرف طلبہ بلکہ سماج کے لئے بھی بہتر قابل احترام ہیں، لیکن اسی قدر ضروری ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور جیسے وہ اپنے حقوق کیلئے احتجاج کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں برتتے اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنے فرائض وواجبات پر بھی نگاہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، مدارس ومراکزِ دینیہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العلمین

تعاقب فرقِ باطلہ

افضل الخلائق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

خالقِ کائنات نے مختلف انواع واقسام کی بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں، اور ہر چیز کو مختلف پیدا کیا ہے، کسی میں قوت ہے تو کسی میں ضعف ہے، کسی میں حسن ہے، تو کسی میں قبح ہے، کسی میں نفع ہے تو کسی میں ضرر ہے، کسی میں خیر ہے تو کسی میں شر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک نوع کی چیزوں کو ایک درجہ اور مساوی رتبہ کا نہیں بنایا ہے، بعض کو بعض پر تفوق وکمال عطا کیا ہے اور بعض کو بعض سے کمتر وحقیر بنایا ہے، چنانچہ پھولوں میں حسن وجمال کے اعتبار سے گلاب کو فوقیت حاصل ہے، جانداروں میں قوت وطاقت کے اعتبار سے شیر کو برتری حاصل ہے اور عقل وفہم کے لحاظ سے انسان کو فضیلت حاصل ہے، پھلوں میں خوش ذائقہ اور شیرینی کے لحاظ سے آم کو پسند کیا جاتا ہے۔ بہر حال مادیات میں تفاضل وتناقص خالق کائنات کی قدرت کا مظہر اور صناعِ عالم کی صناعت وکاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے، اسی طرح انسانوں میں بھی اعلیٰ وافضل کی نسبت پائی جاتی ہے، ہر انسان مساوی درجہ ورتبہ کا نہیں ہے، عام لوگوں سے اہل علم، اہل علم سے اولیاء اور اولیاء اللہ سے صحابہ کرامؓ اور صحابہ کرامؓ سے انبیاء عظام افضل ہیں، پھر انبیاء عظام سے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں بلکہ حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جن وبشر اور ملائک سے افضل وبرتر ہیں، ان کا کوئی فرد ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رتبہ میں نہ بلند ہے اور نہ مساوی، خواہ وہ خواص انسان ہوں یا عام انسان، خواہ وہ خواص ملائک ہوں یا عام فرشتے؛ بلکہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک سے اعلیٰ اور ہر ایک سے افضل ہیں شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لایمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف، حمد وثنا اور مدحت ومنقبت کما حقہ ممکن نہیں ہے، پس قصہ مختصر یہ ہیکہ خدا وحدہ لاشریک کے بعد بزرگ ہستی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے: چنانچہ شاعر دربارِ رسول عبداللہ بن رواحہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیر البشر یعنی انسانوں میں سب سے بہتر قرار دیا ہے یہ کوئی شاعرانہ پرواز اور غریق محبت کا مجذوبانہ کلام نہیں؛ بلکہ حقیقت سے لبریز عارفانہ کلام ہے فرماتے ہیں:

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت بانه خير مولود من البشر
عمت فضائله كل العباد كما عم البرية ضوء الشمس والقمر
لو لم تكن فيه اٰيات مبينة كانت بداهته تغنى عن الخبر

کہ میری جان اس ذات پر قربان جن کے اخلاقِ کریمہ اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ انسانوں میں سب سے بہتر پیدا کئے گئے ہیں، ان کے فضائل تمام بندوں پر اسی طرح عیاں ہیں جیسے شمس وقمر کی روشنی مخلوق پر ظاہر ہے، بالفرض ان کی ذات بابرکت میں کوئی واضح نشانی نہ بھی ہوتی تو بھی ان کا ظاہر حال تمہیں ہر خبر سے بے نیاز کر دیتا، یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام مکاتبِ فکر اس پر متفق ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الخلائق ہیں؛ لیکن اس کے برخلاف شیعوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کے ائمہ حضرات تمام انبیاء ورسل سے افضل حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ارفع واعلیٰ ہیں؛ البتہ بعض شیعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استثناء کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے ائمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی ہیں، ان لوگوں کا یہ اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ کے اعتقاد کے معارض ومقابل ہے، کیوں کہ اہل السنۃ حضرات کسی بھی شخص کے درجات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی وبرابر ہونے کے قائل نہیں؛ آیئے اس شیعی عقیدہ کا کچھ نمونہ اُن کی کتابوں سے ملاحظہ کرتے ہیں؛ شیعہ علماء نے حضرات ائمہ کے مناقب ومفاخر اور ان کی قصیدہ خوانی میں من گھڑت روایتوں کا انبار لگا دیا ہے ''بحار الانوار'' کو شیعوں کے ہاں روایتِ حدیث میں وہی مقام حاصل ہے جو مقام اہل السنۃ کے ہاں بخاری اور مسلم شریفین کو حاصل ہے؛ اس کتاب میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں سے دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) عن عبد الله قال: قال رسو ل الله ﷺ: قال لی جبرئیل یا محمد علی خیر البشر من ابی فقد کفر

(بحار الانوار: ۲۶/۳۰۶)

عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! علی خیر البشر ہیں جس نے ان کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

(۲) عن ابی ذر رضوان الله قال: نظر النبی ﷺ الی علی (علیه السلام) فقال: هذا خیر الاولین وخیر الاٰخرین من اهل السمٰوٰت واهل الارضین، هذا سید الصدیقین وسید الوصیین

(بحار الانوار: ۲۶/۳۱۶ ـ ۳۱۷)

ابوذر رضوان اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی (علیہ السلام) کو دیکھ کر فرمایا یہ شخص آسمانوں اور زمینوں کے اولین وآخرین میں سب سے افضل ہے یہ صدیقین اور وصیین کے سردار ہیں۔

ان دونوں روایتوں میں علی الاطلاق حضرت علیؓ کی افضلیت ثابت کی گئی ہے جس سے حضرت علیؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ شیعوں کے محدث اعظم جناب باقر مجلسی نے فتویٰ صادر کردیا کہ ''امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری ست'' امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے'' (حیات القلوب: ۳/۱۰) ماضی قریب کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمی جناب روح اللہ خمینی نے اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں الولایۃ التکوینیہ کے زیر عنوان لکھا ہے: وان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاما لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل'' کہ یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جہاں تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیۃ: ۵۲)

شیعوں کا یہ اعتقاد غلو اور حد سے تجاوز پر مبنی ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ رسالت ونبوت کا مقام وہ بلند مقام ہے جو انسان کو افضل واکمل بنا دیتا ہے اور عام انسانوں کے زمرے سے اُٹھا کر اوجِ ثریا پر پہنچا دیتا ہے، جہاں تک بات ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے تو وہ تمام انبیاء میں بھی اعلیٰ وارفع ہیں، اور اس کے دلائل و شواہد قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

(۱) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

(سورۃ البقرۃ: ۲۵۲)

وہ رسل جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے، ان میں سے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کلام کیا ہے اور ان (رسولوں) میں سے بعض کو بہت سے درجات میں بلند مقام عطا کیا ہے، اور ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو واضح نشانیاں دی ہیں، اور ان کو بذریعہ روح القدس قوت پہنچائی ہیں۔

اس آیتِ شریفہ سے قبل انبیاء ورسل کی ایک جماعت کا ذکر ہے، تلک الرسل میں اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ نے ان کے درمیان تفاضل کو بیان کیا اور وجہ تفاضل ان انبیاء کرام کی ان صفاتِ مختصہ کو بتلایا گیا ہے جن سے وہ حضرات نوازے گئے ہیں، بطور تمثیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیاتِ بینہ عطا کرنے کا ذکر فرمایا پھر گروہِ رُسل میں سے بعض کا درجاتِ کثیرہ میں افضل ہونا بیان کیا گیا اور ظاہر یہی ہے کہ ''بعض'' سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزاتِ کثیرہ باہرہ سے سرفراز فرمایا گیا تھا جن کی تعداد ہزار سے بھی زائد ہے اور وہ سب

معجزہ عظمت وشان میں فائق وبرتر تھے اور اگر کوئی معجزہ نہ بھی ہوتا تب بھی تنہا قرآن کریم کا اعجاز ہی آپ ﷺ کی علوشان کے لئے کافی ہوتا کیوں کہ قرآن مجید کا اعجاز قیامت تک کے لئے ہے، جبکہ انبیاء سابقین کے معجزات موقتی تھی (ماخوذ از تفسیر کشاف)

(۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰

(سورۃ الانعام)

یہ حضرات ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے پس (اے نبی ﷺ) آپ ان کے طریقے کی اقتداء کیجئے، آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے اس کام پر اجرت کا طلبگار نہیں ہوں، بس وہ تو تمام جہانوں کے لئے ذکر ونصیحت ہے۔

صاحبِ تفسیر خازن نے اس آیتِ شریفہ کی وضاحت کے بعد باضابطہ فصل قائم کی ہے اور علماء کے حوالہ سے رسول اکرم ﷺ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں:

فصل: احتج العلماء بهذه الآية على ان رسول الله ﷺ افضل من جميع الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام، بيانه ان جميع خصال الكمال وصفات الشرف كانت متفرقة فيهم فكان نوح صاحب احتمال على اذى قومه۔۔۔ ثم ان الله تعالىٰ امر نبيه صلى الله عليه وسلم ان يقتديهم وجمع له جميع الخصال المحمودة المتفرقة فيهم فثبت بهذا البيان انه كان صلى الله عليه وسلم افضل الانبياء لما اجتمع فيه من هذه الخصال التى كانت متفرقة فى جميعهم والله اعلم ''کہ اس آیتِ شریفہ سے علماء نے رسول اکرم ﷺ کے تمام انبیاء کی نسبت سے افضل واکمل ہونے پر استدلال کیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ شرف وکمال کی تمام خصلتیں اور صفتیں انبیاء علیہم السلام میں علاحدہ اور متفرق تھیں، جیسے نوح علیہ السلام اپنی قوم کی ایذا رسانی پر تحمل کرنے والے تھے (اس کے بعد اولوالعزم انبیاء کرام کے خصائل واوصاف کو بیان کرکے آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے) کہ اللہ جل جلالہ اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ ان کی اقتداء کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام میں قابل تعریف، لائق ستائش تمام خصلتوں کو رسولِ اکرم ﷺ میں جمع فرمادیا تو نبی کریم ﷺ ان کے متفرق اور جداگانہ خصائل وفضائل کو جامع ہوگئے، اس لئے تمام انبیاء ورسل میں اعلیٰ وارفع ہیں، کسی شاعر نے کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے۔

حسنِ یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(۳)وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ " انا سید ولد آدم یوم القیمة (مشکوٰۃ شریف:۵۷۴۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بروز قیامت اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث شریف کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں، **وفی الحدیث دلیل علی فضله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی کل الخلق، لان مذهب اهل السنة ان الآدمی افضل الملائکة و هو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الآدمیین بهذا الحدیث وغیره** (مرقاۃ المفاتیح:۱۰/۴۲۱) کہ اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الخلائق ہونے پر دلیل ہے، کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ جنس آدمی جنس فرشتوں سے افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث شریف کی وجہ سے تمام آدمیوں سے افضل ہیں، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک و بشر سب سے افضل ہیں۔

(۴)وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: فضلت علی الانبیاء بست : اعطیت جوامع الکلم ، ونصرت بالرعب، واحلت لی الغنائم، وجعلت لی الارض مسجداً وطهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون (مشکوٰۃ المصابیح:۵۷۴۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام پر چھ خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جوامع الکلم دیا گیا، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا، میرے لئے پوری زمین مسجد وطھور بنائی گئی، مجھے تمام مخلوق کی جانب رسول بنایا گیا اور مجھ پر نبیوں کے وجود کو ختم کیا گیا۔

اس حدیث شریف میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام پر خود کی تفضیل کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی وجہ ان خصائل محمودہ کو بیان کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں جیسا کہ صاحب مرقاۃ المفاتیح نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارقام کیا ہے ''**و کفی به شهیدا شرفا و ناهیک به فضلا علی سائر الانام**'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف وکمال کے لئے یہ حدیث کافی گواہ ہے اور تمام مخلوقات پر فضیلت کے لئے یہ مذکورہ خصوصیات بس ہیں، الحاصل! ان مذکورہ دلائل سے یہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الخلائق ہیں جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے لہذا شیعوں کا اپنے ائمہ کو بالا و برتر قرار دینا نہ صرف لغو و باطل ہے بلکہ نصوص کے انکار اور اجماعِ امت کے جحود پر مبنی ہے اور اس میں دینِ اسلام کی اتباع کے بجائے عبداللہ بن سبا یہودی کی پیروی پنہاں ہے۔

فکر ونظر

قسط (۲)

حرمین شریفین کے تعلق سے ایک زبردست غلط فہمی کا ازالہ
دلائل وبراہین کی روشنی میں

از: مفتی عباد الرحمٰن قاسمی*

(۴) بخاری کی ایک روایت ہے جس میں حج سے متعلق ایک مسئلہ میں اختلاف کا ذکر ہے؛ اہلِ مدینہ نے حضرت ابنِ عباسؓ سے ـــــ جو مکہ کے امام تھے ـــــ حائضہ عورت کے بارے میں سوال کیا کہ اگر وہ طوافِ افاضہ کرلے، اس کے بعد اسے حیض آئے تو کیا وہ جاسکتی ہے؟ (یعنی واپس ہوسکتی ہے) یا اس کا آخری عمل طواف ہونا چاہیئے، تاکہ وہ رک کر پھر پاکی کے بعد طواف کرکے واپس ہو؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ اگر وہ چاہے تو جاسکتی ہے، مدینہ والوں نے یہ سن کر کہا: ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے اور ہمارے امام یعنی حضرت زید بن ثابتؓ کا قول نہیں چھوڑیں گے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۵۸)

دیکھئے! امامِ مکہ عبداللہ ابن عباسؓ ایک فتویٰ دے رہے ہیں تو اہلِ مدینہ نے صاف کہہ دیا کہ ہم آپ کی بات نہیں مانتے ہم تو اپنے امام زید بن ثابتؓ کی بات تسلیم کرتے ہیں، ''لا نأخذ بقولک'' کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی امام مکہ ابن عباسؓ کی بات غیر مکہ کے لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

(۵) خود علماء وائمہ مدینہ نے اہلِ مدینہ کے عمل کو حجت نہیں مانا بلکہ خیارِ مجلس والے مسئلہ میں امام مالکؒ سے شدید اختلاف کیا جبکہ امام مالکؒ نے ''البیعان بالخیار مالم یتفرقا'' والی حدیث پر عمل نہیں کیا کیوں کہ اس پر عملِ اہلِ مدینہ نہیں تھا، تو خود مدینہ کے دو بڑے محدث وفقیہ سعیب بن المسیبؒ اور ابن شہاب زہریؒ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اس کے قائل بھی ہیں؛ بلکہ امام مالکؒ کے معاصر مدنی فقیہ وامام ابن ابی ذئبؒ نے اس مسئلہ میں امام مالکؒ پر اس حدیث کے ترک کرنے کی وجہ سے سخت نکیر فرمائی ہے۔

(اسباب اختلاف الفقہاء ص: ۶۰، مطبوعہ دار الفکر العربی، القاھرۃ)

لیجئے! خود امام مدینہ کے عمل کو اہلِ مدینہ تسلیم نہیں کررہے ہیں اب کیا جواب دیں گے وہ لوگ جو اس

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

شر القرون میں ہر بات پر سعودی کے عمل کو یا حرمین کے عمل کو حجتِ قاطعہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ خیر القرون کے دور میں خود مدینہ کے علماء وفقہاء نے مدینہ میں ہونے والے عمل سے اختلاف کیا ہے اور اس پر نکیر فرمائی ہے۔

(۶) بعض حجازی محدثین کا یہ خیال تھا جن میں امام مالکؒ بھی ہیں کہ عراقی یا شامی سند والی حدیث حجت ومعتبر نہیں ہے، جب تک کہ اس کی اصل حجاز سے جڑتی نہ ہو اور کوئی استاذ یا محدث حجازی اس سند میں نہ آجائے گویا ساری حجازی حدیثیں مقبول اور عراقی وشامی حدیثیں غیر مقبول جب تک کہ ان کا تعلق حجاز سے نہ ہو جائے؛ لیکن جمہور محدثین نے بعض حجازی محدثین کی اس رائے اور خیال کو قبول نہیں کیا بلکہ امام شافعیؒ بھی پہلے اُسی خیال کے قائل تھے بعد میں رجوع فرمالیا اور اکثر حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ سند جید ہو تو وہ حدیث مقبول ہے چاہے سند عراقی ہو یا شامی، حجازی ہو یا کوفی۔

چنانچہ امام ابوداؤد سجستانیؒ نے مستقل حدیث کی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں مختلف شہروں کی مختص وخاص حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جو صرف ایک شہر والے ہی بیان کرتے ہیں اور وہ سند دوسرے شہر والوں کے پاس نہیں ہے۔ (رفع الملام عن ائمۃ الاعلام ص: ۲۱، مجموع الفتاویٰ، للامام ابن تیمیہ ۲۰/ ۳۱۸)

(۷) سعودی عرب میں ہونے والے ہر عمل کو ساری دنیا پر زبردستی تھوپنے والوں اور اپنی تنگ دلی وضیق خیالی کی وجہ سے اسلام جیسے وسیع مذہب کو تنگ بنانے والوں کے لئے امام مالکؒ کے اس وسعتِ ظرفی اور کشادہ دلی والے عمل وکردار میں نمونہ ہے کہ جس وقت خلیفۃ المسلمین ہارون رشید نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میں آپ کی لکھی ہوئی مؤطا کو ساری دنیا میں نافذ اور سب پر قانوناً لاگو کر دینا چاہتا ہوں تو امام مالکؒ نے جواب دیا تھا کہ آپ ایسا نہ کریں کیوں کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف ممالک وشہروں میں پھیل چکے تھے اور انہوں نے وہاں پہونچ کر حدیثیں بیان کیں، لہذا ہر علاقہ وشہر والے کے پاس ان (صحابہؓ) سے لیا ہوا علم ہے اور میں نے (صرف) اپنے شہر (مدینہ) کا علم جمع کیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ۲/ ۳۱۱)

لہذا جب امام مالکؒ جو حجاز کے بڑے امام تھے اس زمانہ ہی میں اپنی موطا کو سب کے لئے لازمی وضروری قرار دینے کو روک رہے ہیں تو آج کسی کو کیا حق پہونچتا ہے کہ وہ حرمین یا سعودیہ کے عمل کو سب کے لئے نمونہ یا لازمی عمل قرار دے؟

اخیر میں ہم ایک معقول اور الزامی بات بھی پیش کرنا چاہیں گے، وہ یہ کہ جیسے آج بعض نامعقول وغیر منصف لوگ حرمین وسعودیہ کے فضائل ومناقب کو سامنے رکھ کر ان کے مستقل دلیل ومعتبر ہونے کے قائل ہیں اگر کل کے دن اہلِ شام بھی اپنے فضائل ومناقب کو جو کتبِ حدیث میں بکثرت آئی ہیں۔۔ (بقیہ صفحہ ۲۸ پر)